ماہنامہ

اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

کیا ملکی سرحدیں محفوظ ہیں؟

- امام احمد رضا کا عشق رسول اور کثرت علوم وفنون
- آفتاب اہل سنت علامہ سید محمد عارف رضوی نانپاروی
- ایک تاریخ ساز علمی مکالمہ
- بھارتی مسلمانوں کا ۷۵ رسالہ دردناک سفر (قسط دوم)
- قرآن کی بے ادبی کیوں
- مسلمانان ہنداور قائدین مسلمانان ہند
- رحمت عالم کے خواتین پر احسانات
- ریاست جموں وکشمیر اور آرٹیکل ۳۷۰
- شذرات اعلیٰ حضرت

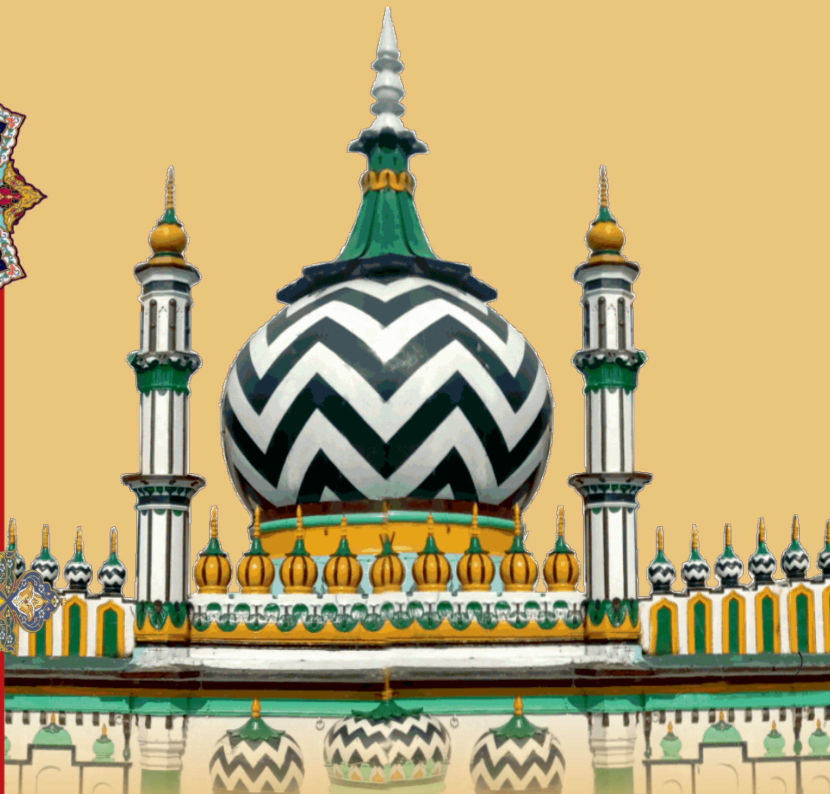

محرم الحرام | ۱۴۴۵ھ

ستمبر | ۲۰۲۳ء

مدیر اعلیٰ

مولانا محمد سبحان رضا خاں "سبحانی میاں"

Monthly : 35/-

Yearly : 350/-

پیغام

حامداً و مصلیاً ومسلماً!

آج سرزمین ہندوستان پر مسلمانان ہند جن مذہبی، مسلکی، سماجی اور معاشی مشکلات کا شکار ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں مسلمانان ہند کے تعلق سے اس ملک کی فضا اور اس ملک کے ماحول میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس دوران ایوان بالا، ایوان زیریں اور کورٹ کچہریوں میں کئی مسلم اور شریعت مخالف ایسے بل، قوانین اور فیصلے پاس ہوئے کہ جنہوں نے مسلم معاشرے کی چولیں تک ہلا ڈالیں اور اسلامی ماحول کے تانے بانے بکھر کر رہ گئے۔ دوسری طرف ہماری نئی نسل خاص کر ہماری کمسن اور ناسمجھ بچیاں روز بروز ارتداد کی ہولناک گھاٹیوں میں گرتی جا رہی ہیں۔ ایسے میں ہم سب کو اپنی اپنی وسعت کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو سنجیدگی کے ساتھ پورا کرنا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں سر دست دو کام کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(۱) اپنی بچیوں کو مضبوط و مستحکم اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرنے کے ساتھ انہیں سماج کے بھیڑیوں کی منصوبہ بندی اور ان کی شاطرانہ چالوں سے روشناس کرائیں۔ انہیں یہ بھی بتائیں کہ غیر مذہب کے شاطر نوجوان انہیں اپنے دام محبت اور فریب عشق میں پھنسا کر کس طرح انہیں مذہبی اور سماجی اعتبار سے برباد کرنے کے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کام کر رہے ہیں۔ ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات بھی راسخ کریں کہ تمہارا دنیوی اور اخروی بھلا صرف اور صرف مذہب اسلام کے دامن سے وابستہ رہنے میں ہے۔

(۲) پارلیمنٹ میں قانون سازی کے لئے نمائندوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس ذہنیت کے نمائندے ہوتے ہیں اسی کے مطابق پارلیمنٹ میں قوانین بنتے ہیں اور بل پاس ہوتے ہیں۔ اس لئے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں ایسے مضبوط اور جرأت مند نمائندے منتخب کر کے بھیجیں جو ان ایوانوں میں ہمارے حقوق کی آواز مضبوطی کے ساتھ اٹھا سکیں اور ایسے قوانین ہرگز نہ بننے دیں کہ جو ہمارے مذہبی و شرعی اصولوں اور سماجی رسم و رواج سے متصادم ہوں۔ اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے حق رائے دہی اور ووٹوں کی طاقت کو سمجھیں اور بروقت صحیح طور پر اس کا استعمال کریں۔ ماضی میں جو کچھ ہوا اس سے سبق حاصل کر کے آنے والے ۲۰۲۴ء کے پارلیمانی انتخابات میں زیادہ سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ووٹنگ کریں۔ مذہبی اور سماجی قائدین کوشش کر کے اپنے اپنے خطوں میں زیادہ سے زیادہ ووٹ ڈلوائیں اور اپنے ووٹوں کو تقسیم نہ ہونے دیں۔ بنا کسی خاص سیاسی پارٹی کا لحاظ کئے متحدہ طور پر یک مشت صرف ایسے نمائندے ہی کو ووٹ دیں کہ جو مخلصانہ طور پر اور نڈر انداز میں آپ کے حقوق کی آواز اٹھانے کے لائق ہو اور مشکل وقت میں بنا کسی تردد کے آپ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا رہنے کی طاقت و قوت اور حوصلہ رکھتا ہو۔

اگر سر دست ہم نے مخلصانہ طور پر ان دو نکات پر عمل کر لیا تب بھی کافی حد تک ہماری مشکلات میں کمی آ سکتی ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کی حفاظت فرمائے اور اس ملک میں ہمارے دین و ایمان، جان و مال اور عزت و آبرو کو محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

خادم مرکز اہل سنت خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United
PRINTERS BAREILLY
(M) 9319623803, 9548639384

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: امام اہلسنت، مجدد دین وملت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ العزیز

ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

بفیض روحانی
حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ
محمد حامد رضا قادری
علیہ الرحمہ

بفیض کرم
مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ
محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری
علیہ الرحمہ

سرپرست روحانی
احسن العلماء حضرت علامہ
سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں
علیہ الرحمہ
مارہرہ شریف

بانی رسالہ
مفسر اعظم حضرت علامہ
محمد ابراہیم رضا قادری
"جیلانی میاں" علیہ الرحمہ

زیر سایۂ کرم
ریحان ملت حضرت علامہ شاہ
محمد ریحان رضا نوری قادری
علیہ الرحمہ

جلد نمبر ۶۳ شمارہ نمبر ۹

صفر المظفر ۱۴۴۵ھ — Sep 2023
ستمبر ۲۰۲۳ء

مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت، حضرت مولانا الحاج الشاہ
محمد سبحان رضا قادری "سبحانی میاں" مدظلہ العالی
سربراہ اعلیٰ خانقاہ رضویہ بریلی شریف

نائب مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج
محمد احسن رضا قادری مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد مسعود خوشتر صاحب ماریشس	حضرت مولانا عبد الجبار صاحب رحمانی پاکستان
حضرت مولانا ازہر القادری صاحب لندن	حضرت مولانا قاری غلام محی الدین صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا صفی احمد صاحب رضوی انگلینڈ	عالی جناب محترم طارق بھٹی صاحب موریشس
حضرت مولانا محمد فروغ القادری صاحب انگلینڈ	عالی جناب الحاج نوشاد علی جواتا، ماریشس
حضرت مولانا محمد محسن صاحب انگلینڈ	عالی جناب الحاج فضل بھائی، جیولم موریشس

مجلس ادارت

مدیر	حضرت علامہ قاری عبد الرحمٰن خان قادری بریلوی
مدیر اعزازی	حضرت مفتی محمد سلیم بریلوی
مدیر معاون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی کٹیہاری
مرتب	حضرت مفتی محمد انور علی رضوی بہرائچی
تزئین کار	جناب ماسٹر محمد زبیر رضا خاں بریلوی
کمپوزنگ	جناب مرزا توحید بیگ رضوی

کلام الامام - امام الکلام

سرسوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا
دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا
بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ! کہا پھر تجھ کو کیا
بے خودی میں سجدۂ در یا طواف
جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا
ان کو تملیک ملیک الملک سے
مالک عالم کہا پھر تجھ کو کیا
ان کے نام پاک پر دل، جان و مال
نجدیا سب تج دیا پھر تجھ کو کیا
یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے
اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
تو نہ ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا
تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں
خُلد میں پہنچا رضاؔ پھر تجھ کو کیا

نوٹ: تمام مشمولات کی صحت و درستگی پر مجلس ادارت کی گہری نظر رہتی ہے پھر بھی اگر کوئی شرعی غلطی راہ پا جائے تو آگاہ فرما کر اجر کے مستحق بنیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی قریبی شمارے میں تصحیح کر دی جائیگی۔

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت
۸۴ سوداگران بریلی شریف

Monthly Alahazrat
84, Saudagran, Bareilly Sharif
Pin-243003
Contact No.
(+91)-0581-2575683,
2555624 (Fax) 2574627
(Mob) (+91)-9359103539
E-mail:mahanamaalahazrat@gmail.com
E-mail:subhanimian@yahoo.co.in

ماہنامہ اعلیٰ حضرت انٹرنیٹ پر پڑھنے کے لئے
visit us: www.aalahazrat.in

چیک یا ڈرافٹ بنام

MAHNAMA ALA HAZRAT
A/c No.
0043002100043696
Punjab National Bank Civil Lines Bareilly

زر سالانہ ممبرشپ

فی شمارہ:	35/-
زر سالانہ:	350/-
بیرون ملک:	35$ امریکی ڈالر

کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی بریلی کورٹ ہی میں قابل سماعت ہوگی (ادارہ)

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر اور ایڈیٹر "مولانا سبحان رضا خاں" نے رضا برقی پریس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اعلیٰ حضرت سوداگران بریلی شریف سے شائع کیا۔

نوٹ: ادارہ کا مراسلہ نگار کی تحریر یا مضمون سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

گوشہ ادارت

۱۔کلام الامام امام الکلام	حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ	۳
۲۔پیغام	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۲
۳۔کیا ملکی سرحدیں محفوظ ہیں	اداریہ از قلم مدیر اعزازی محمد سلیم بریلوی	۵

مستقل کالم

۱۔باب التفسیر	مولانا ابرار الحق رحمانی	۹
۲۔باب الحدیث	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۱۰
۳۔فتاویٰ منظر اسلام	حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری	۱۱

خوان مضامین

۱۔امام احمد رضا کا عشق رسول اور کثرت علوم وفنون	حافظ افتخار احمد	۱۲
۲۔آفتاب اہل سنت علامہ سید محمد عارف رضوی نانپاروی	مفتی انور علی رضوی	۱۹
۳۔ایک تاریخ ساز علمی مکالمہ	مفتی ذوالفقار خاں نعیمی	۲۴
۴۔بھارتی مسلمانوں کا ۷۵؍سالہ دردناک سفر (قسط دوم)	مولانا زاہد علی مرکزی	۳۲
۵۔قرآن کی بے ادبی کیوں	مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی	۳۹
٦۔مسلمانان ہند اور قائدین مسلمانان ہند	مولانا تحسین رضا کویت	۴۳
۷۔رحمت عالم کے خواتین پر احسانات	میمونہ اسلم	۴۵
۸۔ریاست جموں وکشمیر اور آرٹیکل ۳۷۰	مولانا طارق انور مصباحی	۴۹
۹۔شذرات اعلیٰ حضرت	پروفیسر دلاور خاں	٦۱

نعت ومنقبت

۱۔نظم "قل ھو اللہ احد"	مولانا طفیل احمد مصباحی	۱۸
۲۔نعت رسول	مفتی کلیم احمد رضوی	۴۲
۳۔اسلام کے دلیر وجری تاجور عمر	مولانا سلمان فریدی	٦۲

کیا ملکی سرحدیں محفوظ ہیں؟

اداریہ:-مفتی محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

سرحدوں کی حفاظت: کسی بھی ملک کے لئے سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی سرحدوں کو ہر طریقہ سے محفوظ رکھے۔ خاص طور پر وہ ممالک کہ جن کی سرحدیں کئی ملکوں سے ملتی ہوں اور وہ ملک آپس میں ایک دوسرے کے حریف بھی ہوں۔

ہمارا ملک ہندوستان کئی ملکوں کا پڑوسی ہے اور اس کی سرحدیں کئی ملکوں سے ملتی ہیں۔ایک طرف ہماری سرحدیں پاکستان سے ملتی ہیں تو دوسری طرف بنگلہ دیش سے۔ اسی طرح ہماری ملکی سرحدیں چین و نیپال سے بھی ملتی ہیں اور ''تبت'' و ''برما'' سے بھی۔ ان میں چین اور پاکستان سے ہندوستان کے معاملات کافی حد تک حریفانہ ہیں۔اسی وجہ سے ہمارے ملک کی جو سرحدیں ان حریف ممالک سے ملتی ہیں ان کی حفاظت کے لئے حفاظتی دستوں پر سالانہ ملک کا کافی روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ یہ سارا پیسہ ہندوستانی شہریوں کی گاڑھی کمائی سے ٹیکس وغیرہ کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ملک کے دیگر معاملات پر مجموعی طور پر جتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کا خطیر حصہ سرحدی حفاظت کے انتظامات میں خرچ کیا جاتا ہے اور اس میں سے بھی سب سے بڑا حصہ ملک کے صوبہ کشمیر سے متصل سرحدوں پر تعینات فوج پر خرچ کیا جاتا ہے۔اس کے باوجود آئے دن میڈیا اور اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ پڑوسی ملک سے گھس پیٹھیے ہمارے ملک میں داخل ہو گئے۔

ان خبروں کا آئے دن میڈیا کی زینت بننا بلا شبہ تشویش کا باعث ہے۔ کیونکہ ملک کی سرحدوں کو محفوظ و مامون رکھنے کے لئے فوجی اور نیم فوجی دستوں کے علاوہ متعدد قسم کی خبر رساں اور خفیہ ایجنسیاں ہیں جن پر سالانہ ملک کا خطیر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر اس کے لئے مخصوص ادارے قائم کئے گئے ہیں کہ جن کی سب سے اہم ذمہ داری ہی یہی ہے کہ وہ ملک میں غیر قانونی طریقہ سے داخل ہونے والے اور گھس پیٹھ کرنے والے افراد پر نظر رکھیں، ان کی روک تھام کے لئے مضبوط منصوبہ بندی کریں اور ملک اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لئے بروقت موثر لائحۂ عمل تیار کریں۔

اس کے باوجود اگر غیر قانونی طریقہ سے ہمارے ملک کی سرحدوں کو پار کر کے کوئی ملک میں داخل ہو جاتا ہے تو بروقت اس کے لئے قانونی کارروائی کی جائے تا کہ ملک میں امن و امان باقی رہے۔اس کے لئے یکساں کارروائی ہو اور اسے کسی مذہب سے جوڑ کر نہ دیکھا جائے اور نہ ہی اس سے متعلق کارروائی کرنے کو کسی خاص مذہب سے عداوت و دشمنی کے نظریہ سے دیکھا جائے۔ یہ ملکی سلامتی سے جڑا مسئلہ ہے۔اس کا تعلق کسی مذہب سے ہرگز نہیں۔ دستور ہند میں اس کے لئے جو قوانین بنائے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں آئی پی سی کی جو دفعات ہیں ان کے اعتبار سے ملک کی سلامتی کو مد نظر رکھتے ہوئے کارروائی کرنا ملک کے مفاد میں ہوگا۔

مسلم دشمنی کے خطرناک جراثیم: افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ملک کے داخلی معاملات ہوں کہ خارجی، ہر جگہ اور ہر معاملہ میں مسلم دشمنی کے جراثیم اپنا اثر دکھانے لگتے ہیں۔ ہر معاملہ کو ہندو اور مسلمان کے نظریہ سے دیکھا جانے لگا ہے۔ ہر جگہ ہندو مسلم منافرت کے

اسباب تلاش کر لئے جاتے ہیں۔ایک طرف ہم یہ خبریں بھی پڑھتے ہیں کہ فلاں مسلمان شخص اس لئے گرفتار کرلیا گیا کہ وہ پڑوسی ملک کے افراد سے فون پر باتیں کرتا ہے اور پڑوسی ملک سے اس کا گہرا تعلق ہے۔حد تو یہ ہے کہ اگر وہ اپنی زندگی میں کبھی پڑوسی ملک کے سفر پر چلا گیا تھا تو تاحیات خفیہ ایجنسیاں اس کے سلسلہ میں تفتیش کرتی رہتی ہیں۔یہاں تک کہ اب تو مذہبی تعلقات کو بھی ملک سے غداری کی صورت میں دیکھا جارہا ہے۔بات اتنی آگے نکل چکی ہے کہ اگر کوئی مذہبی شخص جانے یا انجانے میں کسی کیس میں پھنس گیا تو کھینچ تان کر اس کا تعلق پڑوسی ملک کی خفیہ ایجنسیوں سے جوڑ دیا جاتا ہے۔کچھ دن پہلے کا واقعہ ہے کہ ضلع کانپور سے متصل ایک علاقہ میں گئوکشی کے الزام میں پولیس نے ریڈ کی۔اس خطہ کی مسجد میں بھی پولیس گھس گئی۔وہاں پڑوسی ملک کے نام سے کچھ پنج سورے اور تاج کمپنی سے چھپے ہوئے مترجم اور غیر مترجم قرآن پاک کے کچھ نسخے بھی رکھے ہوئے تھے۔بس ایک سنہرا موقع ہاتھ آ گیا اور میڈیا کی زینت یہ سرخی بن گئی کہ فلاں گاؤں کی فلاں مسجد کا تعلق پڑوسی ملک سے ہے۔اسی طرح ضلع رام پور میں کچھ ماہ پہلے ایک واقعہ رونما ہوا۔اخبار میں سرخی تھی کہ ”پڑوسی ملک کی ایک لڑکی غیر قانونی طور پر گورنمنٹ ٹیچر کی نوکری کرتی ہوئی پکڑی گئی“۔واقعہ یہ تھا کہ ایک خاتون کی شادی پڑوسی ملک میں ہوئی تھی مگر علیحدگی کی وجہ سے کچھ ہی دنوں بعد وہ واپس ہندوستان آ گئی تھی۔یہیں پر اس کے یہاں ایک بچی نے جنم لیا۔بچپن سے لے کر جوانی تک پوری پرورش یہیں پر ہوئی اور پھر پڑھ لکھ کر اسے گورنمنٹ ٹیچر کی نوکری بھی مل گئی۔کسی دشمنی کی بنیاد پر کسی اپنے ہی نے یہ بات خفیہ ایجنسیوں تک پہنچادی اور پھر اس کی تفتیش شروع ہوگئی۔موقع اچھا تھا لہٰذا رامپور کے بی ایس اے یعنی ”ضلع بیسک شکچھا ادھیکاری“ صاحب نے تفتیشی عمل پورا بلکہ شروع ہونے سے پہلے ہی آناً فاناً میں انہیں نوکری سے برخاست کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔آج موصوفہ کورٹ میں اپنی قانونی لڑائی لڑ رہی ہیں۔اسی طرح آئے دن ان لوگوں کے خلاف کارروائی کے بارے میں بھی خبریں نشر ہوتی رہتی ہیں کہ جنہوں نے پڑوسی ملک کی کسی دوشیزہ یا کسی خاتون سے شادی کی اور پھر اسے ملکی غدار کا تمغہ مل گیا۔

میڈیا کا دوہرا کردار: ہمارا ملکی میڈیا بھی آج کافی منافرت پسند ہو چکا ہے۔اسے بھی نیشنل اور انٹرنیشنل معاملات اور ایشوز میں مسلم و غیر مسلم تعلق نکالنے میں کافی مزہ آتا ہے۔چوبیس گھنٹے ملک کے اکثر چینل ایک ہی لائن پر کام کرتے اور رپورٹنگ کرتے نظر آتے ہیں۔اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اس وقت سب سے گمراہ کن رپورٹنگ آج ہمارے انہیں چینلوں کی طرف سے ہو رہی ہے۔ان چینلوں نے پچھلے دس پندرہ برسوں میں اسلام اور مسلمانوں کی ایسی کردار کشی کی ہے کہ جس سے دیگر مذاہب کے لوگ مسلمانوں سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں اور انہیں اپنا دشمن سمجھنے لگے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی ایسا کوئی واقعہ رونما ہوتے دیکھتے ہیں کہ جس میں ان کی ہتک اور مسلمانوں کی بڑائی دکھائی دے تو اس کی مذمت اور اس کے خلاف احتجاج و مظاہرے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا بھی اسے مجرم قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے اور پھر اس کے بعد رہی سہی کسر پولیس، پرشاسن پوری کر دیتا ہے۔بنا جرم ثابت ہوئے فوری طور پر گرفتاری بھی ہو جاتی ہے اور مقدمہ بھی چلا دیا جاتا ہے۔اس کے برخلاف اگر معاملہ اس کے برعکس اس طرح ہو کہ جس میں مسلمانوں کی ہتک عزت ہوتی ہو اور غیر مسلم افراد کی بڑائی اور جیت نظر آتی ہو تو اسے وہ اظہار رائے کی آزادی اور خود مختاری قرار دے کر اس کو جائز اور صحیح ٹھہرانے کے لئے اپنا پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔

پاکستانی خاتون سیما حیدر کا قضیہ: ابھی چند دنوں پہلے پاکستان سے غیر قانونی طریقہ اپنا کر سیما حیدر نامی چار بچوں کی ماں اپنے بچوں کے ساتھ مشکوک انداز اور مشکوک حالات میں تین ملکوں کی سرحدیں پار کر کے ہندوستان پہونچی۔سوشل میڈیا، میڈیا اور اخبارات کے مطابق یہ عورت پہلے پاکستان سے دوبئی پہنچی، دوبئی سے نیپال کی راجدھانی کاٹھمانڈو آئی اور پھر نیپال کے پوکھرا نامی علاقہ سے ہوتی ہوئی ہندوستان میں داخل ہو کر دہلی پہونچی۔ بتایا جاتا ہے کہ سیما حیدر نامی یہ عورت سندھ کے خیر پور ضلع کے ایک دور افتادہ گاؤں کی رہنے والی ہے جس کے شوہر کا نام غلام حیدر ہے۔ جو سعودی عرب میں ملازمت کر کے اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو عیش و آرام کا سامان مہیا کرا رہا تھا۔ مگر اسی دوران اس عورت کا تعلق و رابطہ ایک معمولی سی نوکری کرنے والے غریب ہندوستانی لڑکے سے ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس نے اپنا ملک، اپنا شوہر، اپنا خاندان اور اپنا مذہب سب کچھ قربان کر ڈالا۔ یہاں تک کے یہ غیر قانونی طور پر ہندوستان میں داخل ہو گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نے یہ اقدام اپنی انٹرنیٹ پر پروان چڑھنے والی محبت کے حصول کے لئے کیا۔ دراصل انٹرنیٹ پر ایک مخصوص گیم کھیلتے کھیلتے یہ عورت جو چار بچوں کی ماں ہے، یہ ہندوستان کی راجدھانی دہلی سے متصل گریٹر نوئیڈا علاقہ کے متعلق ''ربو پورا'' نامی گاؤں کے ''سچن مینا'' نامی اپنے محبوب کے رابطہ میں آئی اور پھر انٹرنیٹ ہی پر ان کی محبت پروان چڑھنے لگی۔ سیما حیدر نامی یہ عورت اچھی خاصی پڑھی لکھی بھی ہے اور عرب دنیا میں کام کرنے والے اپنے شوہر کے بھیجے ہوئے پیسے کی وجہ سے متوسط طبقہ کی مالدار بھی ہے۔ محبت کا بھوت اس کے سر پر ایسا چڑھا کہ پہلے یہ تن تنہا دوبئی کے راستے نیپال پہنچی جہاں سچن نامی اس کا محبوب اس سے ملنے نیپال پہنچ گیا۔ یہاں اس نے ہندو رسم و رواج کے مطابق پہلے سے شادی شدہ اور دوسرے کی منکوحہ ہوتے ہوئے اس سچن نامی اپنے محبوب سے شادی کر لی جس کی دنیا کا نہ کوئی مذہب اجازت دیتا ہے اور نہ ہی کوئی سماج اسے روا جانتا ہے۔ کسی بھی ملک کا قانون تک اس کو جائز نہیں ٹھہراتا۔ بہرحال نیپال کی راجدھا کاٹھمانڈو میں واقع ''ہوٹل نیو ونایک'' کے کمرہ نمبر ۲۰۴ رمیں اپنی اصل شناخت چھپا کر چند دنوں تک یہ دونوں لوگ یہاں بدکاری اور عیاشی میں مست رہے۔ اس کے بعد یہ بدکار عورت واپس پاکستان چلی گئی اور پھر باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ اس نے اپنے شوہر کی رقم سے خریدا گیا اپنا نیا مکان بارہ لاکھ روپیہ میں فروخت کیا، اپنے سارے بچوں کو ساتھ لیا اور پھر دوبئی ہوتے ہوئے نیپال آ گئی۔ اس دوران بذریعہ فون یہ اپنے محبوب سچن مینا کے رابطہ میں رہی۔ اس کے بتائے ہوئے راستے اور طریقہ کے مطابق یہ نیپال سے دہلی اور پھر دہلی سے سچن کے علاقہ تک پہنچ گئی۔ یہ لوگ خفیہ انداز میں ایک کرایہ کا مکان لے کر رہنے لگے کہ اسی درمیان اپنے کاغذات اور گورنمنٹی دستاویز بنوانے کے لئے ایک وکیل کے رابطہ میں آئے جس نے پولیس کو خبر کر دی اور پھر پولیس نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا مگر حیرت انگیز انداز میں محض دو ہی دن کے اندر ان کو ضمانت بھی مل گئی۔ یہیں سے میڈیا، الیکٹرانک میڈیا کے چینلوں، اخباروں اور سوشل میڈیا پر ایک عجیب و غریب بحث شروع ہونے کے ساتھ نہایت تشویشناک خبریں اور پوسٹیں بھی چلنے لگیں۔ چونکہ اس عورت کا تعلق مسلم سماج اور پاکستان سے ہے۔ حالانکہ یہ ایک نہایت سنگین معاملہ تھا، یہ ملک کی سالمیت سے جڑا مسئلہ تھا، ملکی سرحدوں کے قوانین اور اس کے حفاظتی بندوبست کی دھجیاں بکھیرنے کا مسئلہ تھا۔ اس وجہ سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میڈیا اور عوام اس بات کا مطالبہ کرتے کہ یہ عورت ایک ایسی مجرم ہے کہ جس نے ملکی سرحدوں کی حفاظت پر مامور حفاظتی دستوں

کے چاق وچوبند رہنے کی قلعی کھول دی ہے،غیر قانونی طور پر ملک میں داخل ہوئی ہے۔اس لئے اسے مجرم،فاحشہ اور بدکار عورت کی حیثیت سے پیش کیا جائے اوراس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو ملک میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ چاروں طرف سے اس کی مذمت کی جاتی کیونکہ کسی بھی شادی شدہ اور بچوں والی عورت کا اس طرح سے کسی دوسرے آدمی سے ناجائز تعلقات قائم کرنا اور پھر اپنے اصلی شوہر سے علیحدگی کے بغیر دوسرے سے شادی رچا لینا،اس کی تو نہ کوئی قانون اجازت دیتا ہے،نہ کوئی مذہب اسے جائز ٹھہراتا ہے اور نہ ہی کوئی سماج اسے قبول کرتا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ماقبل میں لکھا کہ آج ہمارے ملک کے حالات فرقہ پرست طاقتوں اور گودی میڈیا میں اس طرح کے بنا دیئے ہیں کہ ہمارا ہندوستانی سماج آج ہر مسئلہ کو ہندو مسلم منافرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسی کے مطابق رائے زنی کرتا ہے۔چونکہ یہاں سیما حیدر نامی یہ عورت مسلمان ہے اور پاکستان کی ہے اس وجہ سے گودی میڈیا اور فرقہ پرست افراد اسے اپنی بہت بڑی فتح سمجھنے لگے،''سچن مینا'' نامی اس معمولی سے نوجوان کو فاتح کی حیثیت سے پیش کرنے لگے کہ جس نے ایک دشمن ملک اور دشمن مذہب کی عورت کو اپنے پیار کے جال میں پھنسا کر اپنا ملک، اپنا مذہب، اپنا شوہر اور اپنا معاشرہ تک قربان کرنے پر مجبور کر دیا۔یہ فرقہ پرست اور اسلام دشمن طاقتیں اسے مسلم سماج اور مذہب اسلام کی شکست تصور کرنے لگیں اور اسی جذبہ کے تحت دیکھتے ہی دیکھتے سیما حیدر نامی یہ بدکار عورت اور سچن مینا نامی یہ معمولی سا غریب اور بے پڑھا لکھا نوجوان پورے ہندوستانی میڈیا پر چھا گئے۔ہر جگہ ہر خطہ اور ہر سطح پر انہیں سے متعلق بات ہونے لگی۔فرقہ پرست افراد اسے اپنی اور اپنے مذہب کی فتح کی صورت میں دنیا والوں کے سامنے پیش کرنے لگے اور سچن کے گاؤں میں ایک میلہ سا لگنا شروع ہو گیا جہاں یہ لوگ جا کر ان دونوں ہی کو شاباشی دیتے اور سیما حیدر کی جرأت وہمت کو سلامی پیش کرتے۔مگر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ دی کہ یہ کہیں ملکی سرحدوں کے حفاظتی بندوبست میں سیندھ لگا کر ملک کو نقصان پہنچانے سے متعلق مسئلہ تو نہیں؟ کہیں یہ سماج کے اوپر بدنما داغ تو نہیں؟ کہیں ان لوگوں کا یہ کارنامہ فحاشی اور بدکاری کے زمرے میں تو نہیں آتا؟ اس واقعہ سے سماج ومعاشرے میں منکوحہ عورتوں کا دوسرے غیر مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنے کے بعد اپنے گھر اور اپنے خاندان بے وفائی کر کے چھوڑ کر بھاگ جانے کی ریت کو تو بڑھاوا نہیں ملے گا؟ بین الاقوامی سطح پر اس واقعہ سے کہیں ہمارے ملک کی کرکری تو نہیں ہوگی؟

ان تمام سوالات کو پس پشت ڈال کر گودی میڈیا اور فرقہ پرست جماعتیں صرف اور صرف اسے ہندوؤں اور ہندو مذہب کی فتح کے نظریہ سے دیکھ رہی تھیں اور اسی میں مست تھیں کہ ہمارے مذہب کے ایک نوجوان نے بہت بڑا کارنامہ انجام دے ڈالا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس بدکار عورت کا اس طرح غیر قانونی انداز میں ہمارے ملک کے اندر بنا کسی روک ٹوک کے داخل ہو جانا ہماری ملکی سرحدوں کے حفاظتی بندوبست،خفیہ ایجنسیوں کے چاق و چوبند رہنے اور ان کی کارکردگی پر ایک بڑا سوالیہ نشان لگاتا ہے۔ملک کے ذمہ داران کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ملکی سالمیت کے خاطر اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے ہمارے ملک کی سرحدوں کے حفاظتی بندوبست میں مزید بہتری پیدا کرنے کی طرف پیش قدمی کریں اور اس بدکار عورت کو اس کے محبوب کے ساتھ قرار واقعی سزا دلانے کی غیر جانبدارانہ کوشش کریں۔فی الحال انہیں اتر پردیش کی اے ٹی ایس نے گرفتار کر کے ان سے پوچھ تاچھ کرنے کا عمل شروع کر رکھا ہے۔دیکھئے اس کے بعد ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

ترجمہ: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدرالافاضل حضرت علامہ سیدنا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ

پیش کش: مولانا ابرارالحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ: - پھر اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یا اس سے زیادہ، قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔١١ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دیدیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا ١٢ (خوشگوار اور مزے سے) اور بدعقلوں کو ١٣ ان کے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری بسر اوقات کیا ہے۔ اور انہیں اس میں کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو ١٤ اور یتیموں کو آزماتے رہو ١٥ یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر تم ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو تو ان کے مال انہیں سپرد کردو اور انہیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے۔١٦ اور جو حاجتمند ہو وہ بقدر مناسب کھائے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔ مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ چھوٹا ہو یا بہت۔ حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا۔١٧

(سورۂ نساء رکوع ۱۲، پارہ ۴/ آیت ۳ تا ۷)

تفسیر: -- ١١ مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل فرض ہے۔ نئی پرانی، باکرہ، ثیبہ سب استحقاق میں برابر ہیں۔ یہ عدل لباس میں، کھانے پینے میں، سکنیٰ یعنی رہنے کی جگہ میں اور رات کو رہنے میں لازم ہے۔ ان امور میں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مستحق عورتیں ہیں نہ کہ ان کے اولیا۔ اگر اولیا نے مہر وصول کر لیا ہو تو انہیں لازم ہے کہ وہ مہر اس کی مستحق عورت کو پہنچا دیں۔ ١٢ مسئلہ: عورتوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو مہر کا کوئی جز ہبہ کریں یا کل مہر۔ مگر مہر بخشوانے کے لیے انہیں مجبور کرنا، ان کے ساتھ بدخلقی کرنا نہ چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''طبن لکم'' فرمایا۔ جس کے معنی ہیں دل کی خوشی سے معاف کرنا۔ ١٣ جو اتنی سمجھ نہیں رکھتے کہ مال کا مصرف پہچانیں۔ اس کو بے محل خرچ کرتے ہیں اور اگر ان پر چھوڑ دیا جائے تو وہ جلد ضائع کر دیں گے۔ ١٤ جس سے ان کے دل کو تسلی ہو اور وہ پریشان نہ ہوں۔ مثلاً یہ کہ مال تمہارا ہے اور تم ہوشیار ہو جاؤ گے تو تمہیں سپرد کیا جائے گا۔ ١٥ کہ ان میں ہوشیاری اور معاملہ فہمی پیدا ہوئی یا نہیں ١٦ یتیم کا مال کھانے سے۔ ١٧ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو ورثہ نہ دیتے تھے۔ اس آیت میں اس رسم کو باطل کیا گیا۔

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ **محمد سبحان رضا سبحانی میاں مدظلہ العالی**
سربراہ اعلیٰ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر، سوداگران بریلی شریف

فضیلت علماء

عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: لا یستخف بحقهم الا منافق بین النفاق۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علماء کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر کھلا منافق۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ ۹ ص ۱۴۰)

تشریح:- اس موضوع کی احادیث کریمہ کو نقل کرنے کے بعد میرے جد امجد سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے متعلق احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اگر عالم کو اس لیے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے۔ اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت (دشمنی) کے باعث برا کہتا ہے، گالی دیتا، تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق و فاجر ہے۔ اور اگر بے سبب (بلاوجہ) رنج (کینہ و دشمنی) رکھتا ہے تو مریض القلب، خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۹ ص ۱۴۰)

عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: القی لعلی کرم الله تعالیٰ وجهه الکریم وسادة فقعد علیها وقال: لا یأبی الکرامة الاحمار۔

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کہیں تشریف فرما ہوئے، صاحب خانہ نے حضرت کے لیے مسند حاضر کی، آپ اس پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: کوئی گدھا ہی عزت کی بات قبول نہ کرے گا۔

تشریح:- اس موضوع کی احادیث کریمہ نقل فرمانے کے بعد سیدی سرکار اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ جل وعلا نے علما و جہلا کو برابر نہ رکھا تو مسلمانوں پر بھی ان کا امتیاز لازم ہے۔ اسی باب سے ہے علمائے دین کو مجالس میں صدر مقام و مسند اکرام پر جگہ دینا کہ سلفاً و خلفاً شائع و ذائع اور شرعاً و عرفاً مندوب و مطلوب۔ ہاں علماء و سادات کو یہ ناجائز و ممنوع ہے کہ آپ (خود سے) اپنے لیے سب سے امتیاز چاہیں اور اپنے نفس کو اور مسلمانوں سے بڑا جانیں کہ یہ تکبر ہے''۔ (فتاوی رضویہ حصہ نہم ص ۹۷۳)

ایک اور حدیث یوں نقل فرمائی کہ ''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دو۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام کس لیے؟ فرمایا: عالم پر وبال اسی کا ہے کہ گناہ کیوں کیا۔ اور جاہل پر ایک عذاب گناہ کا اور دوسرا نہ سیکھنے کا۔'' (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۷۴)

فتاویٰ منظر اسلام

ترتیب، تخریج ، تحقیق:- حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

ولی بھی احکام شرعیہ کا پابند ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک شخص بنگلہ دیش کا رہنے والا ہے اور اپنے کو بہت بڑے قطب کا نواسہ بتاتا ہے اور کہتا ہے میں سید ہوں۔ حافظ ہوں۔ کبھی کبھی امامت بھی کرتا ہے اور اکثر نمازیں ترک کرتا ہے۔ اکثر گھروں میں عورتوں کے پاس بیٹھتا ہے۔ بہت بڑھیا نئے فیشن کا چشمہ لگاتا ہے۔ لچکا گوٹے کا ہار اور پیتل کا ہار پہنتا ہے۔ گوٹے کے ہار میں صلیب بنی ہے۔ اس سے منع کیا کہ میاں یہ پہننا ناجائز ہے تو کہتا ہے اماں چھوڑو ان باتوں کو، سب نماز ہو جائے گی اور جب اس کو سمجھایا کہ آپ صحیح اصولوں سے کام کرو تو مزاج ترش کر کے بولا: جانتے نہیں ہو کس کا نواسہ ہوں؟ موسیٰ علیہ السلام کی زبان توتلی تھی اور میری بھی زبان توتلی ہے۔ ان کے ہاتھ میں عصا تھا میرے ہاتھ میں بھی عصا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے نواسے تھے حسین اور میں نواسہ ہوں جناب عبد الحی صاحب کا۔ میں فقیر ہوں اور مجذوب ہوں۔ ہم نے کہا کہ مجذوب فقیر ایسے ایک دم نہیں بن جاتے ہیں۔ بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ اب اس نے ایک کاغذ پر یہ حدیث پاک مسجد کی دیوار پر چسپاں کر دی کہ جس شخص نے اللہ کے نیک ولی مومن کا دل دکھایا اس نے رسول کا دل دکھایا۔ (معاذ اللہ) جس نے رسول کا دکھایا اس نے خدا کا دکھایا۔ بخاری کی حدیث بتاتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

سائل

محمد مذکر

فتح گنج بریلی

الجواب:- ولی بھی احکام شرعیہ کی پابندی سے سبکدوش نہیں اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ البتہ اگر مجذوبیت سے عقل تکلیفی زائل ہوگئی ہو تو اس سے قلم شریعت اٹھ جائے گا۔ مگر جو اس قسم کا ہوگا اس کی یہ ہمت نہ ہوگی کہ وہ شریعت مطہرہ کا مقابلہ کرے۔ شریعت مطہرہ کا پاس و لحاظ اسے بھی ملحوظ رہتا ہے۔ اس کی زبان کی درازی اس منزل پر نہ ہوگی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برابری کا دعویٰ کرے۔ نواسۂ رسول سے ہمسری کا دعوی کرے۔ امام حسین تو ایسے نواسے تھے کہ قرآن شریف ان کے بارے میں نازل ہوا۔ آقا ﷺ نے انہیں جنتی نوجوانوں کا سردار بتایا۔ کیا وہ شخص ان منازل رفیعہ کا بھی دعویٰ کر سکتا ہے؟ علما کی شان میں گستاخی کرنا، فوٹو کھنچوانا، پیتل وغیرہ کا ہار پہننا، عورتوں میں بیٹھنا، نماز ترک کرنا خلاف شرع امور ہیں۔ اگر عقل تکلیفی زائل نہیں ہے تو اس پر مواخذہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ قاضی محمد عبد الرحیم بستوی غفرلہ القوی

دار الافتاء منظر اسلام سوداگران بریلی شریف

۱۵/ ربیع الاول شریف ۱۳۹۷ھ

امام احمد رضا کا عشق اور کثرت علوم وفنون

از۔(حافظ)افتخاراحمدقادری برکاتی

اس دنیا میں انسان کسی نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور جس سے محبت کرتا ہے اس کی یاد میں بے چین رہتا ہے۔ ہر وقت ہر لمحہ اپنے اس محبوب کی مدح وستائش میں مصروف رہتا ہے۔ دل میں محبوب کی عظمت اور زبان پر اس کے نام کا وظیفہ رہتا ہے۔آنکھیں محبوب کے جمال جہاں آراء کا مشاہدہ کرتی ہیں۔کان صرف محبوب کا ذکر سننا پسند کرتے ہیں۔نظروں میں دیارمحبوب کی ہر ایک شئی مکرم و معظم ہوتی ہے۔عاشق کا سرمایہ حیات عشق ہے۔عشق اس کی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔اب عاشق کا دل و دماغ اس کے اختیار میں ہے۔وہ محبوب کی زلفوں کا اسیر ہو چکا ہے۔اس کے دل و دماغ میں کوئے محبوب کا تصور ہوتا ہے۔استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان بریلوی فرماتے ہیں۔

دل کو جاناں سے حسؔن سمجھا بجھا کر لائے تھے
دل ہمیں سمجھا بجھا کر کوئے جاناں لے چلا

اس خاکدان گیتی پر ایک ایسا عاشق پیدا ہوا تھا جس کی نگاہ جلوہ محبوب کے علاوہ کسی دوسری چیز کے دیکھنے کی قائل نہ تھی، وہ دیکھتا تھا تو اپنے محبوب کے رخ انور کو دیکھتا تھا، وہ بولتا تھا تو اپنے محبوب کے فرمان کو پیش کرتا تھا، وہ مسکراتا تو ادائے محبوب لے کر مسکراتا، اس کی فکر میں ادائے محبوب شامل تھی، وہ چلتا تو محبوب کی متعین کردہ حدود میں چلتا، بلکہ وہ ان حدود کا آخری وقت تک محافظ تھا، وہ سوتا تو نام محبوب بن جاتا،ایک طرف وہ دنیا کا سب سے بڑا عاشق رسول تھا تو دوسری طرف دنیائے اسلام کا سب سے بڑا عالم تھا،سب سے بڑا محدث تھا، سب سے بڑا مفسر تھا، جو علم معانی، علم بیان، علم بدیع کا سب سے بڑا عالم تھا۔ جو علم تکسیر، علم ہیئت، علم حساب اور علم ہندسہ کا امام ہو، جو قرآت و تجوید کا بحر ذخار ہو، تصوف وسلوک میں یگانہ روزگار ہو، جس کے دیوان نعت میں حضرت حسان کی شاعری کی جھلک ہو، علم ریاضی میں جس کی مثال نہ ملتی ہو، علم فقہ میں جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مظہر اتم ہو، علم عقائد وکلام میں جس کی نظیر نہ ہو، جس کے منطقیانہ اور فلسفیانہ اقوال و براہین کو دیکھ کر بوعلی سینا فارابی حیرت واستعجاب میں پڑ جائیں، جس کے علم نحو وصرف کو دیکھ کر بصرئین اور کوفئین حیران ہوں، جو علم ریاضی کا سب سے بڑا عالم ہو، ارثماطیقی حساب، توقیت، زیجات اور زائچہ جیسے دیگر بہت سے علوم آقا کی بارگاہ سے تحفتاً ملے ہوں، جو عاشق اور عاشق گر تھا، جو دنیا کا ممتاز ترین پرہیزگار تھا، جو قطب الارشاد اور مجدد اعظم تھا، جس کی زیارت سے اس کے آقا کی زیارت ہوتی، جو اس کے پاس بیٹھا اس کے آقا کے پاس بیٹھا، جس نے اس کو دیکھا اس نے اس کے آقا کو دیکھا، جسے پوری دنیائے عرب وعجم اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد اعظم امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حیرت سر پیٹ رہی ہے دنیا ششدر ہے کہ یہ کون ہے؟

جس کی ذات میں اتنے اوصاف جمع ہوگئے ہیں۔ جو ایک طرف سب سے بڑا عاشق مصطفیٰ تھا تو دوسری جانب علم کا موجیں مارتا ہوا سمندر۔ ایک طرف ''حدائقِ بخشش'' ہے تو دوسری طرف ''فتاویٰ

رضویہ'' کی بارہ جلدیں، جو تفقہ فی الدین میں امام اعظم ابوحنیفہ کا جانشین ہوا اور نعت گوئی میں حضرت حسان کا متبع، امام احمد رضا اپنے آقا کی یادوں میں محو رہتے تھے، اپنے آقا کی یادوں میں مستغرق رہتے تھے۔ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی کی کیفیت طاری رہتی تھی، ہاں وہ امام احمد رضا ہے جو تمام علوم وفنون کا جامع ہونے کے باوجود سب سے بڑا عاشق مصطفیٰ تھا، جو اپنے آقا کے دشمن کو دشمن اور اپنے آقا کے دوست کو دوست سمجھتا۔ جس نے ہر موڑ پر ناموسِ مصطفیٰ کی حفاظت کی، جس کی زندگی کا کوئی لمحہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں تھا۔ جس کے دل پر ایک طرف لا الہ الااللہ اور دوسری طرف محمد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لکھا تھا۔ جس کا دل عشق کی گرمی کی وجہ سے جل کر کباب ہوگیا تھا۔ امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان فرماتے ہیں:

جلی جلی بو سے اس کی پیدا، ہے سوزشِ عشق چشمِ بالا
کباب آہو میں بھی نہ پایا، مزا جو دل کے کباب میں ہے

امام احمد رضا کا دل عشقِ رسول میں جل کر کباب ہو گیا تھا۔ من تو شدم تو من شدی کی مکمل کیفیت طاری تھی۔ امام احمد رضا کو ہر ایک چیز میں عشقِ رسول کی جھلک نظر آرہی تھی۔ پھول ہو یا گلاب، بیلا چمبیلی ہو یا نسترن، رات ہو یا دن، صبح ہو یا شام، باد بہاری ہو یا نسیم سحری، باد صبا ہو یا دیگر ہوا، فقہ ہو یا اصول حدیث، علم معانی ہو یا بیان، نحو ہو یا صرف، منطق ہو یا فلسفہ، علم ریاضی ہو یا ہندسہ، درس گاہ ہو یا آرام گاہ، سفر ہو یا حضر، زمین ہند ہو یا سرزمین عرب، مکہ ہو یا مدینہ، ہر جگہ ہر چیز میں آقا کا جلوہ نظر آتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

انہیں کی بو مایہ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

امام احمد رضا ایک طرف عشق میں فنا فی الرسول کے مقام پر فائز تھے تو دوسری طرف وقت کے پرتَوِ امام اعظم تھے۔ حیرت خود حیرت میں ہے کیوں؟ اس لیے کہ امام احمد رضا تعجب بالائے تعجب کا نام ہے۔ امام احمد رضا حیرت کا نام ہے۔ امام احمد رضا علوم وفنون کی اکیڈمی کا نام ہے۔ امام احمد رضا لائبریری کا نام ہے۔ امام احمد رضا تاریخ کا نام ہے۔ امام احمد رضا کمالات کا نام ہے۔ امام احمد رضا فکر کا نام ہے۔ امام احمد رضا علم کا نام ہے۔ امام احمد رضا فن کا نام ہے۔ امام احمد رضا محافظ ناموس رسالت ونبوت کا نام ہے۔ امام احمد رضا فقہ کا نام ہے۔ امام احمد رضا تحریک کا نام ہے۔ بلکہ امام احمد رضا سراپا عشق کا نام ہے۔ آپ کی تحریر ہو یا تقریر، ہر ایک سے عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درس ملتا ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام احمد رضا کی زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے۔ آپ اطاعت کے بغیر عشق کے قائل نہ تھے۔ امام احمد رضا عامل سنت نبوی کا بہترین نمونہ تھے۔

امام احمد رضا نے اپنی پوری زندگی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزاری۔ جس محفل میں بھی ہوتے ذکر نبی کرتے۔ آپ کی فکر ونظر میں بھی ذکر نبی کے حسین نغمات ہوتے، ہند ہو یا دیار حرم، بریلی ہو یا مدینہ منورہ کی پر کیف وادی، ہر جگہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے۔ درسگاہ میں طالبان علوم نبوت کو عشقِ نبی کا جام پلاتے، خانقاہ میں مریدوں کو عشق نبی کی روحانی شراب پلا کر محبت رسول میں سرشار کر دیتے، وعظ ونصیحت کی محفل میں عوام الناس کے سینوں کو عشق ومستی کا گنجینہ بنا دیتے۔ امام احمد رضا نے اپنے خلفاء کو عشقِ نبی کی شراب محبت پلا کر ایسا مست کر دیا کہ وہ دنیا کے ہر خطے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی درس دیتے اور ایمان وعمل کی بھی

حفاظت فرماتے۔ امام احمد رضا کی آرزو تھی کہ دنیا کا ہر شخص عاشق رسول بن جائے۔ امام احمد رضا زائرین مدینہ منورہ کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے، ان کا سکون ختم ہو جاتا۔ امام احمد رضا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں بلک بلک کر روتے، ان کا جسم بریلی شریف کی دھرتی پر ہوتا مگر دل و دماغ خیالات وتصورات میں مدینہ منورہ کا طواف کرتا۔ امام احمد رضا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ تمام شہروں میں محبوب ترین شہر مدینہ منورہ تھا۔ مدینہ کے در و دیوار سے بے پناہ محبت کرتے تھے، امام احمد رضا بے پناہ عشق نبی کی بنیاد پر سراپا عشق بن گئے۔

کثرتِ علوم وفنون:

امام احمد رضا جہان علوم وفنون کی اس عظیم شخصیت کا نام ہے کہ جن کو حیرت انگیز اور کثیر علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

کثرتِ علوم پر امام احمد رضا کو جو عبور اور مہارت حاصل تھی اس کی نظیر ان کے عہد میں کیا، ماضی میں بھی شاذ ہی نظر آتی ہے۔

(امام احمد رضا اور عالم اسلام)

بلاشبہ انہیں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ سے بہت سارے ایسے علوم وفنون بخشے گئے تھے کہ جن کی نظیر آج اور ماضی قریب میں ہمیں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ رضویات پر کام کرنے والے محققین تحقیقی عمل میں مصروف ہیں اور اپنی اپنی تحقیق کے مطابق امام احمد رضا کے علوم وفنون کی تعداد بیان کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ہم تو صرف اتنا کہہ کر خاموشی اختیار کریں گے کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

☆

امام احمد رضا اپنی تصنیفات کے آئینے میں

امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدائی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی صاحب سے حاصل کی اور دینیات کی مکمل تعلیم اپنے والدِ ماجد حضرتِ مولانا مفتی نقی علی خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان سے حاصل کی۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے اپنی فطری ذکاوت کی بنا پر تیرہ سال دس مہینے اور پانچ دن میں علومِ درسیہ سے فراغت حاصل کی۔ قطب مارہرہ، نور العارفین، سرکار نور حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ نے علمی استفادہ فرمایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ بہت سارے علوم وفنون میں مہارت تامہ عطا فرمائی۔ ان علوم وفنون میں اعلیٰ حضرت نے باقاعدہ تصنیفات بھی یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے چند تصنیفات کا اجمالی خاکہ اپنی بساط کے مطابق پیش کر رہا ہوں۔

سرکارِ اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعتِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ''سماع موتی'' کے جواز میں جو فتویٰ دیا ہے اس میں دو سو ستاون (257) کتب کا حوالہ پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''فتاویٰ رضویہ'' کا جب خطبہ لکھا تو نوے (90) کتابوں کے ناموں کو اس صنعت کے ساتھ لکھا کہ وہی اسمائے خطبہ بن گیے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ وہ نوے (90) کتابیں جو صرف فقہی احکام پر مشتمل ہیں نہ صرف یہ کہ وہ سب آپ کی نگاہوں سے گزر چکی تھیں بلکہ ان کے مضامین پر ذہن کی

گرفت اتنی مضبوط تھی کہ کوئی بھی گوشہ آپ کے حاشیہ خیال سے اوجھل نہیں تھا۔اس سے امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعتِ مطالعہ اورقوتِ حافظہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ فقہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور ومعروف کتاب ''فتاویٰ رضویہ'' جو قدیم بارہ جلدوں پر اور جدید تیس جلدوں پر مشتمل ہے اس کی ہر ایک جلد اپنی مثال آپ ہے۔

مسائلِ حج پر امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ''انوار البشارة فی مسائل الحج و الزیارة'' ہے جو اس طرح ہے۔فصل اول: آدابِ سفر، مقدمات حج میں۔فصل دوم: احرام اور اس کے احکام، داخل حرم مکہ مکرمہ ومسجد حرام۔فصل سوم: طواف وسعی، صفا ومروہ وبیان عمرہ۔ فصل چہارم: روانگی منی ووقوف عرفات۔فصل پنجم: منی ومزدلفہ وباقی افعال حج۔فصل ششم: جرم اور اس کے کفارے۔وصل ہفتم: حاضری سرکارِ اعظم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اس رسالہ میں حج کے مسائل کا بیان مکمل ہو جانے کے بعد جہاں زیارت روضہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع ہوا ہے وہاں جذبہ عشق کا طلاطم دیکھنے کے قابل ہے۔ یہاں تک کہ امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بھی گوارہ نہیں ہے کہ جس ساتویں فصل میں وہ دیار حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آداب بیان کرنے جارہے ہیں اسے وہ فصل سے تعبیر کریں بلکہ اس کو سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ''وصل'' سے تعبیر کیا ہے۔''فصل ہفتم'' کے بجائے سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ''وصل ہفتم'' کی سرخی قائم کی ہے۔

سرکارِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 1296 / ہجری مطابق 1878 عیسوی میں اپنے والدِ گرامی حضرتِ مولانا نقی علی خان علیہ الرحمتہ والرضوان کے ساتھ پہلا حج کیا۔دوسرا حج 1323 / ہجری مطابق 1906 عیسوی میں کیا۔اس سفر حج میں آپ نے شاہکار تصانیف ''حسام الحرمین''،''الدولة المكية ''اور'' كفل الفقيه الفاهم'' تصنیف فرمائیں۔سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتویٰ کو دیکھنے کے بعد مکہ مکرمہ کے ایک مشہور فاضل علامہ مفتی سید اسماعیل خلیل محافظ کتب الحرم نے لکھا: خدا کی قسم میں کہتا ہوں اگر ان کے فتویٰ کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس کے لکھنے والے کو اپنے تلامذہ میں سے بناتے۔

(الاجازات المتینہ ،صفحہ 09 / فقیہ اسلام پنجم صفحہ،163)

رویت ہلال کے متعلق امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''ازكى الهلال فى امر الهلال'' کتاب تحریر فرمائی۔مائے مستعمل کے متعلق آپ نے ''الطراس المعدل'' کتاب تحریر فرمائی۔عیسائیوں کے سوالات کے جواب میں آپ نے ایک مکمل کتاب ''ندم النصرانى و تقسيم الايمانى'' تحریر فرمائی۔آریہ کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے ''کیفر کفر آریہ'' کتاب تحریر فرمائی۔آپ نے ہندوستان کے دارالاسلام ہونے پر ''اعلام الاعلام'' کتاب تحریر فرمائی۔رسوم شادی کے متعلق آپ نے ''هادى الناس فى رسوم الاعراس'' کتاب

تحریر فرمائی۔ آپ نے اسپرٹ کے متعلق ''الاحلی من السکر'' کتاب تحریر فرمائی۔ بعد دفن میت اذان دینے کے جواز میں آپ نے ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' کتاب تحریر فرمائی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب شریف کے متعلق ''ارات الادب بفاضل النسب'' کتاب تحریر فرمائی۔ ۔ ماں باپ کے حقوق کے متعلق ''حقوق الوالدین'' کتاب تحریر فرمائی۔ بندوں کے حقوق کے متعلق ''حقوق العباد'' کتاب تحریر فرمائی۔ آپ نے چالیس احادیث سے عمامہ کی فضیلت پیش فرمائی ہے۔ آپ نے اخلاق پر ''شرح الحقوق لطرح العقوق'' کتاب تحریر فرمائی۔ آپ نے زمین کی حرکت کے رد میں معرکۃ الآرا کتاب ''الفوز المبین'' کتاب تحریر فرمائی۔ آپ نے کرنسی پر ''کفل الفقیہ'' کتاب تحریر فرمائی۔ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر ایک معرکۃ الآرا کتاب ''الدولتۃ المکیۃ'' تحریر فرما کر علمائے حرمین شریفین سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ آپ نے شفاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ''اسماء الاربعین'' کتاب تحریر فرمائی۔ آپ نے امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے ثبوت میں ''الزلال الانقی'' کتاب تصنیف فرمائی۔ آپ نے بسملہ کی تحقیق میں ایک تحقیقی کتاب ''وصاف الرجیح'' تحریر فرمائی۔ آپ نے روحوں کے متعلق ضخیم کتاب ''حیات الموات'' تحریر فرمائی۔ آپ نے صحیح بخاری شریف پر تحقیقی حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ آپ نے مسلم شریف اور ترمذی شریف پر بھی شرح تحریر فرمائی ہے۔ آپ نے حضرت علامہ شامی کی مشہور و معروف کتاب ''ردالمحتار'' پر سب سے زیادہ حاشیہ تحریر فرمایا ہے اگر اس حاشیہ کو الگ کر لیا جائے تو اس حاشیہ کی کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ آپ کی تصنیفات کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے: سرکار اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر میں ۱۶/ کتابیں۔ حدیث میں ۳۴/ کتابیں۔ عقائد و کلام میں ۱۱۲/ کتابیں۔ رسم الخط للقرآن میں ایک کتاب۔ اسانید احادیث میں چار کتابیں۔ اسماء الرجال میں سات کتابیں۔ جرح، تعدیل میں دو کتابیں۔ تخریج احادیث میں چار کتابیں۔ لغت حدیث میں ایک کتاب۔ تجوید میں چار کتابیں۔ اصول فقہ میں چار کتابیں۔ رسم المفتی میں تین کتابیں۔ فرائض میں چار کتابیں۔ نحو میں ایک کتاب۔ صرف میں ایک کتاب۔ ادب میں ۱۹/ کتابیں۔ عروض میں ایک کتاب۔ لغت میں دو کتابیں۔ فلسفہ میں پانچ کتابیں۔ مناقب میں ۱۶/ کتابیں۔ سیر میں چار کتابیں۔ تصوف میں ۱۳/ کتابیں۔ سلوک میں چار کتابیں۔ اذکار میں آٹھ کتابیں۔ اخلاق میں تین کتابیں۔ نصائح میں تین کتابیں۔ ہیئت میں ۱۶/ کتابیں۔ حساب میں تین کتابیں۔ ریاضی میں چھ کتابیں۔ ہندسہ میں پانچ کتابیں۔ تکسیر میں پانچ کتابیں۔ وفاق میں ایک کتاب۔ جفر میں تین کتابیں۔ لوگارثم میں دو کتابیں۔ زیجات میں سات کتابیں۔ جبر و مقابلہ میں تین کتابیں۔ ارثماطیقی میں تین کتابیں۔ توقیت میں ۱۶/ کتابیں۔ علم نجوم میں پانچ کتابیں۔ مکتوبات میں دو کتابیں۔ خطبات میں ایک کتاب۔ مناظرہ میں پانچ کتابیں۔ تاریخ میں چھ کتابیں۔ فقہ میں ۱۴۸/ کتابیں تحریر فرمائیں۔ فقہ میں آپ کی معروف و مشہور کتاب ''فتاویٰ رضویہ'' ہے جو قدیم بارہ جلدوں پر اور جدید تیس جلدوں پر مشتمل ہے جس کی ہر جلد ایک انسائکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اس

کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار بتائی جاتی ہے جن میں بہت سی کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔

اجمالی تفصیل:

فن تفسیر میں آپ کی کتاب ''الصمصام'' ہے۔فن عقائد وکلام پر آپ کی کتاب ''تمهيد ايمان بآيات القرآن'' اور ''سيف الزمان لدفع حرب الشيطان'' ہے۔فن تجوید وقرآت پر آپ کی کتاب ''الجام الصاد'' ہے۔فن فرائض پر آپ کی کتاب ''المقصد النافع'' ہے۔فن فوقیت پر آپ کی کتاب ''جدول اوقات'' ہے۔فن تصوف پر آپ کی کتاب ''كشف حقائق واسرار دقائق'' ہے۔فن فلسفہ پر آپ کی کتاب ''الفوز المبين'' ہے۔فن لغت پر آپ کی کتاب ''فتح المعلی'' ہے۔آپ کے احیاء دین اور احیاء علوم کے کارناموں کو دیکھ کر علمائے حرمین شریفین نے آپ کو مجدد اور امام اہلسنت کے مبارک خطابوں سے مخاطب کیا۔غرض اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۴؍علوم وفنون کے گوہر لٹائے آپ نے وصال سے چار ماہ بائیس روز قبل اپنی وفات شریف کی تاریخ اس آیتِ کریمہ سے استخراج فرمائی:

''ويطاف عليهم بانية من فضة واكواب''۔

ترجمہ: خدام چاندی کے کٹورے اور گلاس لیے ان کو گھیرے ہیں۔

سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا وصال شریف ۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ہجری کو جمعہ کے دن ۲؍بجکر ۳۸؍منٹ پر عین اذان جمعہ میں ادھر حی علی الفلاح سنا ادھر روح پرفتوح نے داعی الی اللہ کو لبیک کہا۔اس طرح آپ کی عمر شریف ۶۸؍سال کی ہوئی۔ آپ کے غسل شریف میں علمائے عظام اور سادات کرام وحفاظ کرام شریک تھے۔جناب سید اطہر علی صاحب نے لحد تیار کی۔حضرتِ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمتہ والرضوان مصنف بہار شریعت نے حسبِ وصیت آپ کو غسل دیا۔جناب حافظ امیر حسن صاحب مرادآبادی نے مدد دی۔حضرتِ علامہ سید سلیمان اشرف بہاری سابق صدر دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی وسید محمود جان اور سید ممتاز علی صاحب نے پانی ڈالا۔سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے علاوہ دیگر خدمات غسل کے وصیت نامہ کی دعا بھی لوگوں کو یاد کرائی۔ حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری علیہ الرحمہ نے مواضع سجود پر کافور لگایا۔صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے کفن شریف بچھایا اور نماز جنازہ حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری علیہ الرحمہ نے پڑھائی:

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

بارگاہِ رسالت مآب میں آپ کی مقبولیت:

ملک شام کے ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ بہت ہی عالیشان تخت پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور پورے اجتماع پر سکوت طاری ہے۔محسوس ہو رہا ہے کہ کسی کے آنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ان بزرگ نے سکوت توڑتے ہوئے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان کس کا انتظار کیا جارہا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احمد رضا ہندی کا انتظار ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون احمد رضا؟ ارشاد فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ پھر وہ شامی بزرگ بیدار ہوگئے اور امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی غائبانہ محبت دل میں گھر کرگئی اور اس خوش نصیب کی زیارت کا شوق دل میں موجیں مار رہا تھا کہ یقیناً احمد رضا ہندی کسی زبردست عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اس کی زیارت کرکے کچھ سیکھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ شامی بزرگ ملک شام سے بریلی شریف کی طرف روانہ ہوگیے اور بریلی پہنچ کر لوگوں سے اعلیٰ حضرت کی قیام گاہ کا پتہ معلوم کیا تو لوگوں نے بتایا کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کا ۲۵ رصفر المظفر کو وصال ہوگیا۔ شامی بزرگ نے وصال کا وقت دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ ہندوستان کے وقت کے مطابق وصال کا وقت دوپہر کے دو بجکر اڑتیس منٹ تھا۔ یہ سن کر وہ بزرگ آب دیدہ ہوگئے کیونکہ جب انہوں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرے دربار میں فرمایا تھا ہمیں احمد رضا ہندی کا انتظار ہے۔ وہ دن ۲۵ رصفر المظفر ہی کا دن تھا اور وقت بھی تقریباً وہی تھا۔ اس وقت تعبیر سمجھ نہ سکے اور اب سمجھ میں آچکی تھی۔

☆

نظم

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ

از۔ مولانا طفیل احمد مصباحی

قول ہے ربُّ العُلیٰ کا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
سارے نبیوں کا وظیفہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
چرخِ وحدت کا ستارا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
بزمِ ایماں کا اجالا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
ربِّ اکبر کی ربوبیّت پہ شاہد کُل جہاں
پیڑ، جنگل، آگ، دریا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
''سورۂ اخلاص'' گویا سورۂ توحید ہے
فلسفہ وحدانیت کا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
رب کی یکتائی کا ہر سو غلغلہ ہے دیکھیے
وجد میں کہتا ہے کعبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
وہ احد ہے، وہ صمد ہے، لَمْ يَلِدْ وہ لَمْ يُوْلَدْ
رب کی عظمت کا قصیدہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
دین و مذہب کا کبھی سودا نہیں ہو پائے گا
اہلِ ایماں کا عقیدہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
''سورۂ اخلاص'' کی عظمت بیاں ہو کس طرح
مرتبہ اس کا ہے اعلیٰ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
پاسباں توحید کا بن کر لگاؤ زور سے
شرک کے منہ پر طمانچہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
جاں چھڑکتے ہیں سبھی اس کلمۂ توحید پر
''اولیاء اللہ'' کا نعرہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
آخرت میں اجر کا حق دار مانا جائے گا
جو بھی دنیا میں کہے گا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ
خالقِ ارض و سما! احمد کی ہے یہ التجا
نزع کے دم ہو ترانہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ

آفتاب اہل سنت علامہ سید محمد عارف رضوی نانپاروی

از۔مفتی محمد انور علی رضوی، سابق استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

’’نانپارہ‘‘ ضلع بہرائچ شریف کا مشہور قصبہ ہے جو نیپال کی ترائی سے متصل ایک چھوٹی سی اسٹیٹ کی شکل میں جانا پہچانا جاتا ہے۔آج بھی بحمدہ تعالیٰ قصبہ اور اس کے مضافات علماء وحفاظ اور قراء وشعراء سے آباد ہیں۔نانپارہ ایک زمانہ میں نوابوں کا دار السلطنت بھی رہ چکا ہے۔

اسی قصبہ کی سرزمین پر فخر المحدثین ،پیر طریقت حضرت علامہ مولانا سید محمد عارف صاحب رضوی نانپاروی، سابق شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام نے جنم لیا۔آپ خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند، شاگرد مفسر اعظم ہند اور تلمیذ ریحان ملت ہونے کے ساتھ خلیفۂ حضور احسن العلماء مارہروی بھی ہیں۔آپ ۷/ مارچ ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے اور یہیں اپنے والدین کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔

تعلیم وتربیت: حضرت مولانا سید محمد عارف رضوی علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم وتربیت ان کے والدین کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ پھر پرائمری اسکول کی تعلیم کے بعد انجمن حنفیہ نانپارہ میں یہاں کے صدر مدرس مولانا سبحان اللہ امجدی نے خصوصی توجہ کے ساتھ موصوف کو پڑھایا۔مولانا سبحان اللہ امجدی کے چلے جانے کے بعد مولانا قاری علی حسین رضوی نعیمی بستوی نانپارہ تشریف لائے، موصوف اس وقت جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں مدرس تھے۔ان کی وجہ سے حضرت مولانا سید محمد عارف رضوی ۱۹۵۶ء کو جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں پہنچ گئے۔مولانا قاضی محمد حسین نعیمی سنبھلی سے فارسی اور حدیث پاک جامعہ نعیمیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا طریق اللہ رضوی نعیمی سے پڑھی، مشق وقرأت اور عربی وفارسی کی اعلیٰ کتابوں کا بھی درس لیا۔

شعبان میں جب مولانا سید محمد عارف رضوی تعطیل کلاں میں اپنے وطن نانپارہ پہونچے تو خوبیٔ قسمت سے مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضاخاں جیلانی میاں بریلوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کو مائل بکرم پایہ اور بعض بزرگوں کی سفارش پر مفسر اعظم ہند نے بریلی شریف منظر اسلام میں داخلہ منظور فرمالیا۔شوال میں مولانا سید محمد عارف رضوی دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف حاضر ہوگئے۔چند ہی دنوں کے بعد جب مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے آپ کی مشغولیت کو دیکھا تو مفسر اعظم ہند کی توجہ خصوصی تعلیم کی جانب مائل ہوگئی اور تعلیم کی انتھک محنت نے اعلیٰ نمبروں میں کامیابی عطا کی۔

فراغت: حضرت علامہ مولانا سید محمد عارف رضوی نانپاروی کی فراغت اور تکمیل علوم وفنون ۱۹۶۵ء میں جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف سے ہوئی اور جید علمائے کرام ومشائخ عظام بالخصوص تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ہاتھوں سے آپ کی دستار فضیلت ہوئی۔

اساتذۂ کرام: مولانا سید محمد عارف صاحب رضوی علیہ الرحمہ

کے اساتذۂ کرام میں مندرجہ ذیل شخصیات قابل ذکر ہیں۔
(۱) مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں بریلوی علیہ الرحمہ۔
(۲) حضرت مولانا مفتی سید محمد افضل حسین صاحب رضوی مونگیری علیہ الرحمہ۔
(۳) محدث منظر اسلام مولانا محمد احسان علی صاحب رضوی مظفر پوری علیہ الرحمہ۔
(۴) استاذ الاساتذہ مفتی جہانگیر خاں صاحب رضوی حامدی اعظمی علیہ الرحمہ۔
(۵) حضرت ریحان ملت مولانا شاہ محمد ریحان رضا خاں رحمانی میاں علیہ الرحمہ۔
(۶) حضرت مولانا مفتی غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی مونگیری علیہ الرحمہ۔
(۷) حضرت مولانا بلال احمد صاحب رضوی پورنوی بہاری علیہ الرحمہ۔
(۸) حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب صدیقی رضوی گورکھپوری علیہ الرحمہ۔
(۹) استاذ فارسی حضرت حافظ محمد انعام اللہ صاحب تسنیم حامدی بریلوی علیہ الرحمہ سے فارسی کی تکمیل کی۔

ہم سبق رفقائے کرام:

(۱) مولانا برکت اللہ صاحب نانپاروی
(۲) مولانا نوری رضا ابن مفتی محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ پیلی بھیتی
(۳) مولانا داؤد صاحب بہاری
(۴) مولانا رحمت حسین صاحب پورنوی
(۵) مولانا عرفان علی صاحب پورنوی
(۶) پیکر حق وصداقت مولانا محمد مظہر حسن صاحب برکاتی بدایونی
(۷) قاری صغیر احمد صاحب برکاتی کاس گنج

آغاز درس و تدریس: حضرت مولانا سید محمد عارف صاحب رضوی کی قابلیت وصلاحیت زمانۂ طالب علمی سے ظاہر و باہر تھی۔ مولانا سید محمد عارف صاحب کی قابلیت واستعداد دیکھ کر حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فراغت کے بعد ہی آپ کو جامعہ رضویہ منظر اسلام میں مدرس رکھ لیا۔اس وقت سے ریٹائرڈ ہونے تک (باستثنائے ۱۹۷۲ء لغایت ۱۹۷۴ء) جامعہ رضویہ منظر اسلام میں تدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دیں۔ مذکورہ تین برسوں میں مدرسہ فخر العلوم بلرامپور ضلع گونڈہ اور دار العلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات میں بھی درس حدیث کا فیضان جاری رکھا۔

بیعت وخلافت: مولانا سید محمد عارف صاحب ۱۰؍ جمادی اولیٰ ۱۳۸۱ھ میں حضور سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر شرف بیعت سے مالا مال ہوئے اور ۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے چاروں سلاسل اور جملہ اوراد ووظائف کی اجازت عطا فرمائی۔

سرکار مفتی اعظم ہند سے متعلق اظہار بیان: مولانا سید

عارف صاحب رضوی نانپاروی اپنے مرشد برحق حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے متعلق یوں حقیقت بیان فرماتے ہیں:

’’جن آنکھوں نے سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو دیکھا وہ گواہ ہیں کہ حضرت مرشد برحق کی ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رہی جو سب سے اچھی تھی۔آپ کا علم،عمل،تقویٰ،فتویٰ اور زہد و ورع یہ ساری خوبیاں اپنی نظیر آپ تھیں۔چہرہ پر جلال اور ڈھال سے جمال غوثیت نمایاں ہوتی تھی۔جو ایک بار دیکھ لیتا تھا ان کا شیدا ہو جاتا۔‘‘

حج و زیارت: شیخ الحدیث مولانا سید عارف صاحب رضوی علیہ الرحمہ نے ۱۹۸۸ء میں زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا۔ علمائے عرب وعجم سے ملاقاتیں کیں۔مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے جید علمائے کرام نے آپ کو عزت وقعت کی نظروں سے دیکھا۔کیونکہ آپ اس مرکز اہل سنت کے شیخ الحدیث تھے جس نے عالم اسلام میں دین وایمان کی شمع جلا رکھی ہے۔

عقد مسنون: ۱۹۶۲ء میں مولانا قاضی احسان الحق نعیمی مفتی بہرائچ شریف کی دختر نیک اختر کے ساتھ مولانا سید محمد عارف رضوی کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا جن سے ۳ رلڑکیاں اور مندرجہ ذیل چار لڑکے ہیں:

(۱) سید ظفر سبحانی نوری (۲) مولانا محمد سید محمد میاں رضوی بغدادی (۳) سید شاہ عالم رضوی (۴) سید معین الدین۔

۱۹۸۰ء میں یہ پہلی زوجۂ محترمہ داغ مفارقت دے گئیں تو ان کی بہن مولانا سید محمد عارف ضوی صاحب کی زوجیت میں آئیں جو تاہنوز باحیات ہیں اور ان زوجۂ ثانیہ صاحبہ سے بھی دو بیٹے ہیں:(۱) سید مسعود الزماں (۲) سید زہران علی۔

منظر اسلام میں دوبارہ تشریف آوری: بریلی شریف منظر اسلام سے آپ کا ہٹنا حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کو انتہائی شاق گزرا اور ریحان ملت جب بھی احمد آباد گجرات تشریف لے گئے تو فرمایا کہ تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگتا۔لہٰذا دوسری بار ۱۹۷۴ء میں حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کے حکم کے بموجب پھر سے جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس ہوگئے۔آپ کی گونا گوں مصروفیات اتنی کثیر تھیں کہ مستقل کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی البتہ کبھی کبھی کچھ مضامین ماہنامہ اعلیٰ حضرت اور ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف میں ضرور اشاعت پذیر ہوئے مثلاً اہمیت زکوٰۃ اور رد تحریک مودودیت وغیرہ وغیرہ۔آپ کو شعر و سخن سے بھی خاصی دلچسپی تھی چونکہ آپ کا اصلی نام سید اعجاز علی ہے اور عرف سید محمد عارف اس لیے آپ اپنا تخلص عارفؔ رکھتے تھے۔دنیائے سنیت میں آپ کی شخصیت شیخ الحدیث سید محمد عارف رضوی نانپاروی کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔حضرت شیخ الحدیث سید محمد عارف صاحب کے درجہ حدیث میں شامل ہونے والے طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے ہم ان میں سے چند کا نام ذکر کرتے ہیں:

(۱) مولانا تطہیر احمد رضوی صاحب بریلوی (۲) مولانا مفتی سید شاہد علی صاحب رامپوری علیہ الرحمہ (۳) راقم الحروف (مفتی) محمد انور علی رضوی بہرائچی، سابق استاذ منظر اسلام بریلی شریف (۴) مولانا کمال احمد صاحب نانپاروی علیہ الرحمہ (۵) مولانا جمیل احمد خاں صاحب بستوی ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۶) مولانا منظر قدیری

پورنوی(۷) مولانا سید محمد میاں رضوی نانپاروی، ناظم اعلیٰ مدرسہ حسنیہ رضویہ نانپارہ(۸) مولانا ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی رضوی، استاذ منظر اسلام بریلی شریف(۹) مولانا علاءالدین رضوی گجراتی۔

مدرسہ حسنیہ رضویہ نانپارہ کا قیام: منظر اسلام سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ نے شہر نانپارہ میں ''جامعہ حسنیہ رضویہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا جس کی نگرانی اور دیکھ بھال حضرت مولانا سید محمد میاں رضوی نانپاروی کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ جامعہ حسنیہ رضویہ اس وقت بحسن وخوبی چل رہا ہے۔ آپ تاحیات بیعت و ارشاد کے ذریعہ مذہب ومسلک کی اشاعت کرتے رہے اور اس کے ساتھ جامعہ حسنیہ کی آبیاری اور تعمیر و ترقی کے لیے بھی کوشاں رہے۔ نیز درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ بہرائچ شریف میں بحیثیت صدر امور مذہبیہ مذہبی معاملات کا نظم ونسق کرتے رہے۔ فتویٰ نویسی کے ساتھ آپ شہر نانپارہ کے قاضی اور مفتی کے بھی فرائض انجام دیتے رہے۔

ممدوح گرامی حضرت علامہ سید محمد عارف رضوی صاحب پوری زندگی مرکز اہل سنت خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت اور منظر اسلام سے وابستہ رہے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد بھی یہاں کی جملہ تقریبات عرس میں شرکت فرماتے تھے۔ حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے بہت گہرا تعلق ومحبت رکھتے تھے۔ حضرت صاحب سجادہ بھی آپ سے خصوصی لگاؤ اور محبت رکھتے تھے۔ عرس رضوی کے آخری قل شریف میں آپ سے خصوصی دعاء کراتے، کئی بار جامعہ رضویہ منظر اسلام میں آپ نے افتتاح بخاری اور ختم بخاری بھی کرایا۔ جب بھی آپ بریلی شریف تشریف لاتے تو طلبہ واساتذہ سے محبت و شفقت کے ساتھ ملاقات کرتے اور جامعہ رضویہ منظر اسلام کی ترقی دیکھ کر خوش ہوتے۔ خانقاہ رضویہ اور مدرسہ منظر اسلام کے ہر اہم معاملہ میں آپ سے مشورہ لیا جاتا۔ صاحب سجادہ کے لخت جگر اور درگاہ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشین حضرت مفتی احسن میاں صاحب قبلہ سے بھی آپ خوب محبت فرماتے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری برسوں میں حضرت احسن میاں صاحب قبلہ کے لئے بہرائچ شریف میں منعقد ایک جلسہ کے اندر ''بدرالطریقہ'' کا خطاب تجویز فرما کر بھرے مجمع میں اس کا اعلان فرمایا۔

انتقال پُر ملال: عمر کے آخری حصہ میں آپ جب سخت علیل ہو گئے تو آپ کو لکھنؤ کے ایک اسپتال میں بھرتی کرایا گیا۔ کچھ دن علاج کے بعد اسی اسپتال ہی میں آپ کا مؤرخہ ۲۸؍شعبان ۱۴۴۴ھ/ ۲۱؍ مارچ ۲۰۲۳ء بروز منگل وصال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لکھنؤ سے آپ کا جسد خاکی بہرائچ شریف لایا گیا۔ یہیں پر آپ کی نماز جنازہ ہوئی اور بہرائچ شریف ہی میں واقع حضرت سرخ رو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آستانہ کے باہری حصہ میں تدفین کی گئی۔ دنیائے سنیت کے بہت سے خطوں سے رنج وغم پر مشتمل تعزیتی پیغامات جاری ہونے لگے۔ بہت سے مدارس وخانقاہ وغیرہ میں ایصال ثواب کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ آپ کے شناسا اور چاہنے والے غم واندوہ میں مبتلا ہو گئے۔ آپ کے اخلاق وکردار سے علمائے اہل سنت واقف تھے۔ سبھی سے آپ اور آپ سے سبھی محبت فرماتے

تھے۔اس لیے آپ کے جانے کا سبھی کو کافی رنج ہوا۔اللہ رب العزت آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کی قبر پر انوار و رحمت کی بارش فرمائے۔ ے

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے

حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

آپ کے انتقال پر ملال کے موقع پر راقم الحروف نے ''واہ آداب اولیاء تاریخی مادّے (۱۴۴۴ھ) اور''زینت انجمن مادہ ہائے تاریخ وصال (۲۰۲۳ء)'' کے عنوان سے چند تاریخی مادوں کا استخراج کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

آہ! کلام عالی موت العالم موت العالم۱۴۴۴ھ

آہ! لابد۔اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ۔ ۱۴۴۴ھ

آہ! ادیب پاک روشن قیاس نوراللہ مرقدہ۱۴۴۴ھ

آہ! لطف عالی ناشر مسلک حق علیہ الرحمہ۱۴۴۴ھ

آہ! عدیم المثال، والا جاہ، نکتہ فہم چلا گیا۱۴۴۴ھ

آہ! مونس والا مولانا سید محمد عارف علیہ الرحمہ۱۴۴۴ھ

آہ! ہادی انجمن، ہمدرد قوم وملت علیہ الرحمہ۱۴۴۴ھ

آہ! محبوب نیک، مداح وشیدائی بریلی شریف۱۴۴۴ھ

آہ! باادب انتقال پُر ملال، ادیب مکرم محبوب القلوب۱۴۴۴ھ

آہ! علامۂ آفاق، آفتاب اہل سنت جلد ڈوب گیا۱۴۴۴ھ

آہ! بشارت مہِ کامل علیہ الرحمہ۱۴۴۴ھ

آہ! پاک نہاد عظیم القدر۱۴۴۴ھ

آہ! حسان العجم مداح سبحان رضا۱۴۴۴ھ

آہ! نیک طالع مولانا احسن رضا۱۴۴۴ھ

آہ! رخصت ماہ مبین۱۴۴۴ھ

آہ! رحلت صالح نوراللہ مرقدہ۱۴۴۴ھ

آہ! رحلت طالب وفا نوراللہ مرقدہ۱۴۴۴ھ

آہ! رخصت حنفی۱۴۴۴ھ

آہ! مدلل استاذ العلماء۱۴۴۴ھ

آہ! پاک طبع محسن تلامذہ۱۴۴۴ھ

آہ! حیاء طلب، محبّ سبحان، مضمون نگار۱۴۴۴ھ

آہ! استاذ منظر اسلام۱۴۴۴ھ

☆

آہ! گوہر آبدار، نقیب رضویت۲۰۲۳ء

آہ! ناشر رضویت، جاہ طلب۲۰۲۳ء

آہ! صاحب دانا، گلزار علم، شیخ الحدیث۲۰۲۳ء

آہ! سرمائے بہار علیہ الرحمۃ والرضوان۲۰۲۳ء

آہ! وحید زماں، فیض رضا۲۰۲۳ء

آہ! طالب سبحان، شیدائی اعلیٰ حضرت۲۰۲۳ء

آہ! وفات سنی رضوی، مصدر کرم۲۰۲۳ء

آہ! طالب سبحان، مرید مفتی اعظم ہند۲۰۲۳ء

آہ! دیدم عاشق جلوۂ محبوب مفسر اعظم۲۰۲۳ء

آہ! مداح، مرد قانع مخلص ریحان ملت۲۰۲۳ء

آہ! فیض یافتہ، کامل عالم علیہ الرحمہ۲۰۲۳ء

☆

ایک تاریخ ساز علمی مکالمہ

صدرالافاضل اور مولانا معین الدین اجمیری کے مابین جمعہ کی اذان ثانی سے متعلق ایک مکالمہ کی روداد

از۔ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی، نوری دارالافتاء کاشی پور

۱۹۱۶ء میں جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہونے یا (مسجد کے اندر) قریب المنبر ہونے کی بحث زوروں پر تھی۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے اس تعلق سے مدلل ومفصل فتاویٰ تحریر فرمائے اوران کی مخالفت میں چند علماء (خاص کر علمائے رامپور و بدایوں) نے بھی خوب زور آزمائی کی۔ انہیں میں ایک ''مدرسہ معینیہ عثمانیہ'' (اجمیر شریف) کے صدر المدرسین مولانا معین الدین اجمیری بھی تھے۔ یہ بحثیں گرم ہی تھیں کہ اسی دوران (خلیفۂ اعلیٰ حضرت، حضرت) صدر الافاضل (علامہ سید محمد نعیم الدین علیہ الرحمہ) خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے دیار مقدس میں حاضر ہوئے اور مفاہمت و مصالحت کی نیت سے ''مدرسہ معینیہ عثمانیہ'' جاکر مولانا اجمیری سے بھی ملاقات فرمائی۔ اس ملاقات میں جمعہ کی اذان ثانی کے سلسلہ میں صدرالافاضل اور مولانا معین الدین اجمیری کے مابین ایک معرکۃ الآرا بحث ہوئی۔ مولانا اجمیری کا موقف تھا کہ اذان (مسجد کے اندر، داخل مسجد) عند المنبر (منبر کے قریب) ہونا چاہیئے نہ کہ خارج مسجد اور صدر الافاضل کا موقف اذان ثانی کے خارج مسجد ہونے کا تھا۔ مولانا اجمیری کا موقف خود ان کے دلائل کی روشنی میں کمزور ثابت ہوا اور صدر الافاضل کا (موقف) اذان، خارج مسجد ہونے کا مسئلہ واضح سے واضح تر ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۵ رمحرم الحرام ۱۳۳۵ھ مطابق نومبر ۱۹۱۶ء کو پیش آیا۔ اس مجلس مذاکرہ میں مفتی محمد عمر نعیمی آپ کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے وہاں سے آکر من وعن پورا مکالمہ سپرد قرطاس فرمایا جو ۴ ردسمبر ۱۹۱۶ء کو اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رامپور میں شائع ہوا۔ ہم یہاں پورا مکالمہ نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین ''مسئلہ اذان ثانی'' کی حقیقت سمجھنے کے ساتھ صدر الافاضل کے جذبۂ اتحاد اور مصالحانہ کارکردگی کا بھی اندازہ لگاسکیں۔

''مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور مولوی معین الدین اجمیری کے درمیان مسئلہ اذان ثانی جمعہ پر ایک دلچسپ مکالمہ۔

الحمدللہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمدٍ و آلہ اجمعین۔

۱۵ رمحرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو حامی دین متین، حامل علوم سید المرسلین حضرت مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی دامت برکاتہم، حاضر آستانہ، فیض کاشانہ حضور سلطان الہند غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے۔ آستانہ بوسی کے بعد ''دارالعلوم معینیہ عثمانیہ'' کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ صدر المدرسین ''مدرسہ معینیہ عثمانیہ'' جناب مولانا مولوی معین الدین صاحب، استاذ العلماء حضرت مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب مدظلہ العالی سے جوگفتگو

مسئلۂ اذان جمعہ میں ہوئی اس کو ذیل کے سطور میں ملاحظہ فرمایئے:

صدر المدرسین: آپ کا کیا نام ہے؟ کہاں دولت خانہ ہے؟

استاذ العلماء: نعیم نام ہے، مراد آباد غریب خانہ ہے، جناب سے ایک مسئلہ میں کچھ دریافت کرنا ہے، اگر زیادہ حرج نہ سمجھئے تو عرض کروں۔

صدر المدرسین: اگر وہ مسئلہ زیادہ بحث طلب ہو تو بعد عصر، ورنہ ابھی فرمایئے۔

استاذ العلماء: میں مسافر ہوں اور آج ہی ۹ ربجے شب کی گاڑی سے جانے والا ہوں، بہتر ہوگا کہ مجھے ابھی وقت دیا جائے۔

صدر المدرسین: بہت مناسب، فرمایئے۔

استاذ العلماء: اذان خطبہ کے داخل مسجد ہونے کی کوئی تصریح کتب فقہ میں جناب کی نظر سے گزری ہے؟

صدر المدرسین: آپ تصریح دریافت فرماتے ہیں؟

استاذ العلماء: جناب! جی ہاں!!

صدر المدرسین: میں ایک تمہید عرض کرلوں، فقہاء نے یہ التزام فرمایا ہے کہ ایک ایک جزیہ کو کتابوں میں جابجا مذکور فرمایا ہے اور اگر اس میں ذرا بھی کسی عبارت میں احتمال نکلتا ہے تو ''نبوذ'' کے اضافے فرمائے ہیں، تاکہ کوئی شخص دوسرے معنی کی طرف نہ جاسکے۔ اب جہاں کہیں کہ فقہاء نے تصریح نہیں فرمائی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا، کہ وہ امر ایسا معلوم و معروف ہے کہ اس میں حاجت گفتگو ہی نہیں۔

استاذ العلماء: آپ کا دوسرا مقدمہ دوسرے مقدمہ سے مضمحل ہوگیا۔ پہلے مقدمہ سے یہ نتیجہ نکال لینا بالکل غلط ہے کہ فقہاء کے نزدیک عدم ذکر، ذکر مؤکد ہے، بلکہ جب آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جہاں ذرا بھی احتمال ہوتا ہے فقہاء اس پر قیود کا اضافہ کرتے ہیں، یہ صاف بتاتا ہے کہ تمام کتابوں میں کسی مسئلہ کو اس طرح ذکر کرنا کہ کہیں قید نہ ہو، آپ کے مقدمہ کی بنا پر عدم احتمال کی دلیل کافی ہے۔

صدر المدرسین: بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ فقہاء عرف پر اکتفا فرماتے ہیں اور اس کی تصریحات چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ عورت کے لئے سینہ پر چھاتی کے نیچے ہاتھ باندھنا ایسا معمول ہے کہ اب اس کی کہیں تصریح نہیں۔ میں مہینہ بھر کی مہلت دیتا ہوں۔ کتب خانہ موجود ہے، آپ نکال تو دیجئے! ہم ایسی بات نہیں کہہ دیا کرتے ہیں۔ ہم نے مدتوں کتابیں چھانی ہیں۔

استاذ العلماء: آپ کا علم و فضل زیر بحث نہیں۔ مسئلہ جو جناب نے فرمایا میرے خیال ناقص میں صحیح نہیں ہے۔ نہ کتب فقہ اس سے ساقط ہیں۔ لیکن قطع نظر اس سے میں آپ کے کلام سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ فقہاء نے اذان کے داخل مسجد ہونے کی کہیں تصریح نہیں فرمائی۔ آیا آپ کے کلام کا یہی نتیجہ ہے یا کچھ اور؟

صدر المدرسین: جی ہاں! یہی نتیجہ ہے اور عرف و رواج بتا رہا ہے کہ اذان مسجد کے اندر ہی ہے۔

استاذ العلماء: اس اذان سے جناب کون سی اذان مراد لیتے ہیں؟

صدر المدرسین: مطلق اذان جو پنج وقتہ اور اذان خطبہ کو شامل ہے۔

استاذ العلماء: جب کہ کتب فقہ میں اذان کے داخل مسجد ہونے کی تصریح نہیں اور خارج مسجد ہونے کی تصریح موجود ہے: ''لا یؤذن فی المسجد۔'' تو آپ کو کیا جائے گفتگو باقی ہے؟

صدر المدرسین: تو اب آپ تصریح چاہتے ہیں؟ تو آپ کو تصریح ہی بتا دیتا ہوں۔ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضرت بلال مسجد شریف کی چھت پر اذان کہتے تھے اور سقفِ (چھت) مسجد، مسجد ہے۔

استاذ العلماء: آپ نے اپنے رسالہ ''القول الاظھر'' میں لکھا ہے کہ ''سوائے مجتہد کے کسی کا حق نہیں ہے کہ حدیث سے کوئی حکم ثابت کرے''۔ پھر آپ اس حدیث کے پیش کرنے کے کیوں کر مجاز ہوئے؟

صدر المدرسین: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف سے اس فروعی مسئلہ میں بہت سختی کی گئی ہے۔ اس لیے یہ (مذکورہ عبارت) بطریق الزامی جواب کے لکھا گیا ہے۔ میری کتاب میں الزامی اور تحقیقی دونوں قسم کے جواب ہیں۔

استاذ العلماء: جب آپ الزام دیتے ہیں تو آپ کا الزام اگر آپ پر لوٹا دیا جائے تو کیا بے جا ہے؟

اس پر ذرا مولوی معین الدین صاحب کے تیور بدلے۔

حضرت مولانا مولوی نعیم الدین صاحب مدظلہ نے فرمایا: مولانا! میرے مزاج میں طالب علمانہ شوخی ہے۔ پھر مولوی معین الدین صاحب نرم ہوگئے اور فرمایا: جو آپ فرمایئے میں برانہیں مانتا ہوں۔ جب میرے منع کرنے سے مولانا احمد رضا خان صاحب باز نہ آئے اور انہوں نے حدیث سے استفادہ کیا تو میں کیوں نہ کروں؟ انہوں نے جو حدیث پیش کی ہے اس کے راویوں میں محمد بن اسحٰق نا معتبر، مجروح و مطعون ہیں کہ امام مالک نے ان کو دجال کہا ہے۔ ''کان دجالا من الدجاجلة''۔

استاذ العلماء: مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا ہو تو ان پر الزام ہوسکتا ہے، نہ کہ آپ کے قول سے، خصوصاً ایسا قول جس کو وہ صحیح ہی نہ مانتے ہوں، تو ان پر کیوں عمل کریں۔ لیکن آپ کو اپنے قول پر ضرور عمل کرنا پڑے گا۔ رہے محمد بن اسحٰق، اول تو امام مالک سے ثابت نہیں کہ انہوں نے ایسا فرمایا ہو۔ امام ابن ہمام نے اس کا انکار کیا ہے اور بفرض تسلیم، توثیق ان کی کس قدر قوی ہے اور اس کے مقابلے میں جرح مجروح ہے۔ کیا آپ محمد بن اسحٰق کی جرح کا راجح و معتبر مانتے ہیں؟

صدر المدرسین: میں نے تو اپنی کتاب میں جرح و تعدیل دونوں ذکر کردی ہیں اور میں امام ابن حجر کا یہ فیصلہ مانتا ہوں کہ سیر و مغازی میں تو ابن اسحٰق معتبر ہیں اور حلال و حرام میں نہیں۔

استاذ العلماء: اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ جہاں ظنیات کافی ہیں وہاں تو اعتبار ہے اور جہاں قطعیات درکار ہیں جیسے حلال و حرام کا معاملہ وہاں دوسرے ادلہ درکار ہوں گے (مگر) یہاں تو کراہت کی بحث ہے، وہ تو حدیث ضعیف سے ہی ثابت ہوجاتی ہے۔

صدر المدرسین: یہ معاملہ تو حلال و حرام سے بھی اہم ہے۔ کیونکہ اذان شعائر دین میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اس پر جہاد کیا جاسکتا ہے۔

استاذ العلماء: اذان شعائر دین میں سے ہے یا اس کا داخل مسجد و خارج مسجد ہونا اور بلند و پست آواز سے ہونا بھی؟

صدر المدرسین: جی ہاں! اذان اور اس کے تمام احکام داخل مسجد اور خارج مسجد ہونا اور بلند و پست آواز سے ہونا یہ سب شعائر دین سے ہیں۔

استاذ العلماء: دلیل لایئے۔

صدر المدرسین: تو آپ مجھ سے ہر ہر بات کی دلیل طلب کریں گے؟

استاذ العلماء: اگر یہ خوف ہے تو پھر ایسے دعوے نہ فرمایئے جو محتاج ثبوت ہوں۔ ع

ولیکن چوں گفتی دلیلش بیار

صدر المدرسین: بہت اچھا! آپ کو تو میں ابھی سمجھائے دیتا ہوں۔ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کے کھیل ہیں۔ آپ فرمایئے کہ یہ شعائر دین

ہے یا شعائر دنیا؟ دو حال سے خالی نہیں۔ آپ شعائر دنیا مانتے ہیں؟
استاذ العلماء: ناخنوں کی تراشنے کا داہنے ہاتھ کی ’’سبابہ (کلمہ کی انگلی)‘‘ سے شروع کرنا، پانی دونوں ہاتھوں سے لے کر تین مرتبہ میں پینا، جوتا پہننے میں داہنے سے شروع کرنا، یہ سب شعائر دین ہیں یا شعائر دنیا؟

صدر المدرسین: میں کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔ میری بات کا جواب دیجئے۔

استاذ العلماء: تو آپ جملہ امور کا شعار دین و دنیا میں حصر ثابت کیجئے اور ایسی دلیل قائم فرمائیے جو یہ ثابت کردے کہ جملہ امور دو حال سے خالی نہیں ہو سکتے: شعار دین میں ہوں گے یا شعار دنیا سے۔ آپ ایسے فاضل سے بہت بعید ہے کہ بغیر حصر ثابت کئے یہ سوال کردے۔

صدر المدرسین: (ذرا رخ پھیر کر اور کچھ بے التفاتی کی سی شکل بنا کر) لیجئے! اب میں آپ کو دوسری طرح سمجھاؤں۔ کلام اللہ میں ہے: ’’متوفی عنها زوجها‘‘ کی عدت ۴؍مہینہ ۱۰؍دن وارد ہوئے اور حاملہ کی عدت وضع حمل۔ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک عورت حاملہ کا شوہر مر گیا تو اس کی کتنی مدت ہے؟ تو (حضرت علی نے) ’’ابعد الاجلین‘‘ عدت (بیان) فرمائی۔ اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ’’لا یؤذن‘‘ عام ہے اذان پنج گانہ اور اذان خطبہ کو اور ’’بین یدیه‘‘ عام ہے داخل مسجد اور خارج مسجد کو۔ پس اس میں دونوں کو اپنے عموم پر برقرار رکھنا چاہئے، اذان پنجگانہ بیرون مسجد ہو اور اذان خطبہ داخل مسجد قریب منبر۔

استاذ العلماء: اس تقدیر پر ’’لا یؤذن‘‘ کا عموم کہاں باقی رہا؟ اذان خطبہ اور اذان پنج گانہ دونوں بیرون مسجد ہوں تو ’’لا یؤذن‘‘ اور ’’بین یدیه‘‘ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ’’ابعد الاجلین‘‘ مقرر کرنے سے دونوں آیتوں پر عمل ہوتا تھا اور جو صورت آپ نے بیان فرمائی ہے اس تقدیر پر ’’لا یؤذن‘‘ اپنے عموم پر نہیں رہتا۔

صدر المدرسین: اس تقدیر پر ’’بین یدیه‘‘ اپنے عموم پر نہیں رہتا بلکہ آپ اسے خارج مسجد کی قید سے مقید کرتے ہیں۔

استاذ العلماء: عموم پر تو کسی طرح نہیں رہتا۔ آپ اسے داخل مسجد کی قید سے مقید کرتے ہیں اور آپ یہ قید نہ لگائیں تو آپ کے نزدیک اذان خطبہ کا داخل مسجد اور خارج مسجد ہونا دونوں جائز ہے۔ اب آپ کے نزدیک بھی اذان خطبہ کا خارج مسجد ہونا جائز بلا کراہت ہوا۔ گو کہ ابھی تک آپ داخل مسجد ہی جائز کہتے ہیں لیکن صراحت سے جواز کا خارج مسجد کا اقرار کیجئے تو اذان داخل مسجد کی نسبت کچھ عرض کروں۔

صدر المدرسین: میں داخل مسجد اور خارج اذان کو جائز مانتا ہوں۔

استاذ العلماء: اتنا تحریر کر دیجئے۔

صدر المدرسین: یہ تو میں نے تنزلاً کہہ دیا تھا۔

استاذ العلماء: آپ تنزلاً کچھ نہ فرمایا کریں، ہر ایک بات ترفعاً و تعلیاً ہو۔

صدر المدرسین: آپ کو لحاظ رکھنا چاہئے اور یہ بات بھی آداب میں سے ہے کہ کسی شخص کے پاس جائے تو اس کی عزت و آبرو کا لحاظ رکھے۔ مجمع میں کسی شخص کی توہین کرنا کیا مناسب ہے؟ یہاں طلبہ موجود ہیں، آپ مجھ سے تنہائی میں گفتگو کر سکتے تھے، میں نے کہا تھا کہ بعد عصر تشریف لائیے۔

استاذ العلماء: حضرت! میں نے تو آپ کی اجازت سے گفتگو شروع کی تھی، یہ خیال تھا تو آپ نے اجازت نہ دی ہوتی۔ میں گفتگو کر کے

مسئلہ صاف کرنا چاہتا تھا، ہوا خیزی میری نیت تو نہ تھی۔

صدرالمدرسین: آپ میری ہوا خیزی کر ہی کیا سکتے ہیں؟

استاذ العلماء: میں عرض کرتا ہوں کہ میری یہ نیت ہی نہیں اور میں کر بھی کیا سکتا ہوں، یہ سچ ہے۔ لیکن لمبے چوڑے دعوے کر دیا کرتے ہیں۔ بہر حال میری بات کا جواب عنایت ہو۔

صدرالمدرسین: اب میں آپ کو شامی دکھا دوں گا کہ سقف مسجد، مسجد ہے اور سقف مسجد پر اذان جائز ہے، اب میں جاتا ہوں، کتاب تلاش کر کے لاتا ہوں، آپ ظہر کی نماز پڑھ لیجئے۔

حضرت مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب مدظلہ ''بہتر'' فرما کر نماز پڑھنے مسجد شریف تشریف لائے اور مولوی معین الدین صاحب مکان تشریف لے گئے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مولوی معین الدین صاحب واپس تشریف لائے کچھ عرصہ تک ''غلام مرشد صاحب'' طالب علم کا انتظار کیا، جب وہ آئے تو فرمایا کہ اگر آپ کو فقہ میں یہ دکھا دوں کہ سقفِ مسجد، مسجد ہے اور سقف مسجد پر اذان جائز، تو آپ داخل مسجد اذان ہونا تسلیم کر لیں گے؟

استاذ العلماء: جواز مع الکراھۃ تو اب بھی تسلیم کرتا ہوں، بلا کراہت جب بھی تسلیم نہیں کروں گا، بلکہ اس میں بہت جائے گفتگو ہے، لیکن آپ اپنے اقرار سے اس عبارت کے دکھانے پر مجبور ہیں، دکھایئے!

اس پر مولوی معین الدین صاحب نے شامی کھولی، ''سقف'' کی شرح میں یہ نکلا کہ حضرت بلال نے ''ظھر مسجد'' (مسجد کے بلند و بالا حصہ) پر اذان فرمائی، فرمایا: اب تو آپ تسلیم کر لیجئے کہ اذان ''فوق المسجد'' کا جواز فقہ سے ثابت ہو گیا۔

استاذ العلماء: بندہ نواز! یہ حدیث ہے، جس سے ''اذان علی ظھر المسجد'' ثابت ہوتی ہے، فقیہ نے اس کو صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ اذان کے بالا مقام پر کہے جانے کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔ اس حدیث سے اذان کے مسجد میں داخل ہونے پر استدلال نہیں کیا اور آپ تو حدیث سے سند لا ہی نہیں سکتے، کیوں کہ القول الاظہر میں مقلد کے لیے حدیث سے استدلال آپ خود ناجائز کر چکے ہیں۔ حدیث کا فقہ کی کتاب میں لکھا ہونا آپ کے لیے کافی نہیں۔

صدرالمدرسین: دیکھئے! آپ نے یہ بات کہہ دی، میں پہلے ہی سمجھا ہوا تھا۔ پھر شاگرد رشید کے مشورے سے فرمایا کہ آپ اس قدر لکھ دیجئے کہ اذان علی ظھر المسجد شامی کی نقل کردہ حدیث سے ثابت ہوئی۔

استاذ العلماء: بندہ لکھنے کے لیے حاضر ہے، جناب کچھ تقریریں فرما چکے ہیں، وہ بھی قلم بند فرما دیجئے۔

صدرالمدرسین: (اس پر تو بہت ہی برافروختہ ہوئے، فرمانے لگے) میری تمہاری کیا برابری ہے؟ تم نے مجھ سے کیا حکم کہہ دیا؟ میں اپنی شان کے خلاف باتیں سننے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ آپ بہت متجاوز ہو چکے ہیں، اپنی حد کے اندر رہ کے بات کیجئے۔ ذرا طلبہ کی طرف بھی آنکھیں نکالیں اور غصے کے لب و لہجہ سے مرعوب کرنا چاہا۔

استاذ العلماء: مولانا! آپ کی شان سے خود ستائی اور اپنے منہ سے اپنی مدح سرائی کرنا کوئی پسندیدہ بات نہیں۔ کیا آپ میری مسافرت پر نظر کر کے دھمکیوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں؟ میں بھی جناب کو اس نظر سے دیکھتا ہوں، جس نظر سے آپ مجھ سے گفتگو فرما رہے ہیں، کیا وجہ ہے کہ مجھ سے لکھنے کے لیے کہہ دیجئے، جب تو تجاوز، ترک ادب کچھ نہ ہوا اور میں لکھنے کے لیے کہوں تو اس قدر ناگوار

گزری؟ اگر آپ مجھ سے ایک حرف لکھوانا چاہیں تو آپ کو اپنی پوری تقریر قلم بند کر دینا چاہیئے۔ بلکہ لکھنا آپ ہی پر ضروری ہے اور مجھ پر بالکل لازم نہیں، کیوں کہ اس وقت آپ مجیب کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں مانع کی۔

صدر المدرسین: (ذرا نرم ہو کر) اچھا! اب آپ دوسری عبارت دیکھئے، ہدایہ میں ہے:

ویکرہ المجامعة فوق المسجد والبول والتخلی لان سطح المسجد له حکم المسجد۔

دیکھئے! پہلی عبارت سے سقفِ مسجد پر اذان ہونا ثابت ہوا اور دوسری سے سقف مسجد کا مسجد ہونا، دیکھئے کیسا مدعا ثابت ہوا۔ مجھ سے تو جو مناظرہ کرے گا اس کا یہی نتیجہ ہوگا، جو آپ کا ہوا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کو فقہ میں بہت نظر ہے، اس کا میں اقرار کرتا ہوں اور اس کا انکار کمینہ پن بھی ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی طرف داری کرنے کے لیے جو کوئی بھی آئے، وہ بھی ایسا ہی وسیع النظر ہو۔ مولانا! میری نظر بہت دور تک ہے اور میں جو کچھ کہتا ہوں بہت تحقیق کر کے کہتا ہوں۔

استاذ العلماء: آپ جتنی بھی تعریفیں کیجئے، صرف اپنا دل خوش کرنے کی باتیں ہیں۔ دوسرا آپ کی خودستائی سے آپ کو اس رتبے کا نہیں سمجھ سکتا، نہ آپ خود ہی بڑھ سکتے ہیں۔ ''شامی'' کی روایت پیش کرنے کا آپ کو کوئی حق ہی نہیں تھا، کیوں کہ وہ حدیث ہے اور حدیث سے جناب صراحتاً دست بردار ہو چکے ہیں، اب رہی ''ہدایہ'' کی عبارت، وہ خود بتا رہی ہے کہ سقف مسجد، مسجد نہیں، بلکہ بعض امور میں اس کو حکم مسجد دیا جاتا ہے اور یہ تو فرمائیے کہ مسجد میں پاخانہ پھرنے کا کیا حکم ہے؟

صدر المدرسین: مسجد میں پاخانہ پھرنا حرام ہے۔

استاذ العلماء: مولانا! جب نہ ہوا تھا، اب فیصلہ ہو گیا کہ مسجد میں پاخانہ پھرنا حرام اور سقفِ مسجد میں مکروہ تحریمی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ سقف مسجد عین مسجد نہیں، ورنہ جملہ احکام اوصاف کا اتحاد ضروری تھا۔ ''لایؤذن'' کی ایسی زبردست صراحت کے مقابلے میں آپ یہ کیا اوہام وتخیل پیش کر رہے ہیں؟

صدر المدرسین: (اس وقت مولانا کے چہرہ پر کچھ ندامت وشرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے اور کھسیانے لہجہ میں باتیں فرماتے تھے۔ توضیح نکال کر گھبرا کر کہا) شیخین کے نزدیک تو کراہت وحرام میں کوئی فرق ہی نہیں، اس مکروہ سے حرام مراد ہے۔

استاذ العلماء: جناب مولانا! میں اس میں تو بحث ہی نہیں کرتا کہ کراہت وحرمت میں شیخین کیا فرماتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کیا؟ اور کبھی کراہت حرمت کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے یا نہیں؟ میں تو یہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ نے '' تخلی فی المسجد '' کی تو حرمت کا اقرار فرمایا اور ''ہدایہ'' میں '' تخلی فوق المسجد'' کی کراہت کا حکم دیا اور اس کراہت سے حرمت ہرگز مراد نہیں لائے۔ ''فتح القدیر'' ملاحظہ فرمالیجئے۔ اس میں لکھا ہے کہ اس جگہ کراہت سے تحریم مراد نہیں۔ مولانا! اس فیصلہ پر آپ کی زبان شاہد ہو چکی ہے۔ اب کوئی مخلص کی صورت نہیں۔

صدر المدرسین: میں نے شیخین کا قول دکھایا۔ میری وہاں تک نظر ہے۔ آپ ایسے وسیع النظر نہیں تو میرے توجہ دلانے سے توجہ کیجئے۔

استاذ العلماء: جناب مولانا! آپ کے مقابلہ میں کچھ میں ہی کوتاہ نظر نہیں ہوں بلکہ آپ کی وسعت نظر کے سامنے تو امام ابن ہمام بھی کوئی

چیز نہیں۔ جہاں جناب کی نظر پہنچی ہے، ان کی نظر بھی نہیں پہنچی۔

صدر المدرسین: شیخین کے مقابلہ میں امام ابن ہمام کیا ہیں؟

استاذ العلماء: ہدایہ میں اس خاص موقع پر جو کراہت کا لفظ آیا ہے اس کی شرح میں شیخین نے یہ فرمایا ہے کہ اس کراہت سے اس خاص مقام پر حرمت مراد ہے؟ تو آپ خود پیش کیجئے۔ امام ابن ہمام تو اس خاص لفظ کی شرح فرما رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ اس خاص مقام پر کراہت بمعنی تحریم نہیں۔ دوسرے مقام پر کراہت کا استعمال اس معنی پر ہوا ہے یہ زیر بحث نہیں۔ آپ اپنے قول سے ملزم ہو چکے۔

صدر المدرسین: (اپنے طلبہ سے متوجہ ہو کر) میرا جو کام تھا میں کر چکا۔ جس عبارت کا وعدہ تھا وہ میں نے پیش کر دی۔

استاذ العلماء: خاک ہی نہیں پیش کر دی۔ اللہ کی شان آپ کی زبان سے اقرار کرا دیا کہ سقفِ مسجد، مسجد نہیں۔

صدر المدرسین: نہیں مولانا! میں نے کب اقرار کیا ہے؟

استاذ العلماء: اور کوئی اقرار کے سینگ ہوتے ہیں؟ یہ آپ نے ہی فرمایا کہ مسجد میں تخلی حرام اور سقفِ مسجد میں مکروہ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس جگہ تخلی مکروہ ہے وہ یقیناً غیر ہے اس جگہ کا جہاں تخلی حرام ہے۔

صدر المدرسین: خیر مولانا! میں تو عبارت پیش کر چکا اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہوں۔

منتظم دار العلوم: حضرت مولانا صاحب (صدر الافاضل)! میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ اگر جواب عنایت فرمائیں تو آج قیام فرمائیں اور غریب خانہ پر نان جویں تناول فرمائیں اور اگر کوئی امر بحث طلب باقی رہ گیا ہو تو آپ حضرات تنہائی میں طے کر لیں۔ یہاں مجمع عام ہے۔ طلبہ بھی عوام میں سے ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں ایک عالم کی وقعت کم ہو جاتی ہے۔ اس کا آپ کو بھی درد رکھنا چاہیئے۔ ایک فرعی مسئلہ کی وجہ سے آپ ایسی باتیں کیوں گوارا کریں؟ دن بھر پڑھاتے پڑھاتے جناب مولوی معین الدین صاحب کا دماغ درست نہیں رہتا اور آپ تازہ دم وارد ہوئے تھے۔ آپ کی تو ایسی مثال ہے جیسے ایک پہلوان دوسرے سے کشتی لڑنے کے لیے چھ مہینہ سے تیار ہوا ہو اور مولوی معین الدین صاحب کی ایسی حالت ہے کہ جیسے کوئی پہلوان روزمرہ معمولی کشتی لڑتا ہو تو یکایک اس سے مقابلہ ہو جانا ایک اچانک بات ہے جس کے لیے یہ تیار نہیں تھا۔ اسی وجہ سے جو لفظ مولانا کی زبان سے بیجا نکلا ہو میں آپ سے اس کی معافی چاہتا ہوں اور بہتر ہوگا کہ اس معاملہ میں جو مزید گفتگو کرنا ہو وہ بذریعہ تحریرات کے طے کر لیا جائے اور باہمی تحریریں شائع نہ ہوں جب تک کہ آپس میں مسئلہ طے نہ کر لیا جائے۔

طلبۂ دار العلوم: حضور عالی (حضرت صدر الافاضل) ہم لوگوں کے عادات وسکنات سے جو بات ناگوار گزری ہو ہم اس کی معافی چاہتے ہیں۔

استاذ العلماء: (طلبہ کی طرف متوجہ ہو کر) آپ طالب علم ہیں اور آپ کو ضرور اپنے استاذ کی طرف داری کرنا چاہیئے۔ میں آپ سے ناخوش نہیں، البتہ مولوی صاحب کے اخلاق کی ضرور شکایت ہے۔ ایک قابل آدمی کو ایسے اخلاق ہرگز نہ رکھنا چاہیئے۔ مولوی صاحب کی کوئی بات ''ادعـــاء'' سے خالی نہیں ہوتی۔ میں اس سے پہلے مولوی صاحب کو جس نظر سے تولتا تھا، اتنے دعوے سننے کے بعد اس سے کچھ اچھی نظر سے نہیں تولتا ہوں، نہ اپنے زبانی دعوے سے کوئی شخص بڑا ہو سکتا ہے۔ بلکہ مولوی صاحب کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ بجائے ان کی اپنی زبان کے دوسری زبانیں ان کی تعریف کریں۔

(منتظم صاحب کی طرف متوجہ ہو کر) جناب کی رائے سے مجھے بالکل اتفاق ہے۔ گفتگو تو الحمدللہ! ہو چکی۔ اب مولانا کے رسالے ''القول الاظہر'' کے متعلق کچھ امور دریافت طلب باقی ہیں۔ اس کے متعلق مولوی صاحب اگر آج ہی طے کرنے کا وعدہ فرمائیں تو میں شہر جانے کے لیے حاضر ہوں اور دعوت بھی قبول ہے۔

صدر المدرسین: بہتر یہی ہوگا کہ کتاب سے طے کر لیا جائے اور ہم آپ ایک ہی ہیں، کوئی بات قلم سے ایسی نہ نکلے کی جو خلاف مزاج ہو۔ اب آپ چائے پی لیجیے اور میں اپنا رسالہ ''القول الاظہر'' حاضر کرتا ہوں، اس کو لے جائیے۔

استاذ العلماء: مولانا! میں نے اب تک آپ کو وہابی قرار نہیں دیا ہے، اب تک جو گفتگو کی گئی، اس نیت سے ہرگز نہ کی گئی کہ آپ کی تذلیل کی جائے، لیکن آپ نے جو ''اعلان مناظرہ'' کے نام سے مضمون چھاپا ہے، اس میں دیکھئے کہ کیا سختی کی ہے۔

صدر المدرسین: مولانا احمد رضا خان صاحب نے مجھ پر ''اجلی انوار رضا'' میں گیارہ وجہ سے کفر ثابت کیا ہے۔

استاذ العلماء: اس پر آپ کو غور کرنا چاہیئے، اگر آپ کے کلام میں ایسے وجوہ پائے جاتے ہیں کہ پیش تر خطا سے خالی نہیں، تو آپ کو توبہ میں جلدی کرنا چاہیئے، یہ کوئی برا ماننے کی بات نہیں۔

منتظم دار العلوم: اچھا! تو اب آپ تشریف لے چلیں اور کھانا ملاحظہ فرمالیں۔ اس پر جلسہ برخاست ہوا اور مولوی احمد حسین خان صاحب رام پوری، حضرت مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب مدظلہ کو اپنے مسکن پر لے گئے۔ حضرت مولانا مدظلہ العالی نے دن بھر کھانا بھی تناول نہ فرمایا تھا، شام کے پانچ بجے کے قریب کھانا تناول فرمایا، لوگ جوق در جوق آتے تھے اور کہتے تھے: الحمدللہ! آپ تشریف لے آئے اور مسئلۂ اذان میں حق واضح ہو گیا''۔

(اخبار دبدبۂ سکندری: ۴؍دسمبر ۱۹۱۶ء ج ۵۳ نمبر ۶۔ ص ۳ تا ۶)''

تاثرات علماء بحوالہ مکالمہ: ۴؍دسمبر ۱۹۱۶ء کو اخبار ''دبدبۂ سکندری'' میں مکالمہ شائع ہوا۔ اس کے بعد کئی ماہ تک مکالمے کے حوالہ سے مثبت و منفی کوئی تاثر دیکھنے میں نہیں آیا اور پھر اچانک ۱۲؍مارچ ۱۹۱۷ء کو اخبار'' دبدبۂ سکندری'' میں خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ ہدایت رسول رامپوری کے شاگرد رشید مولانا محمد علی اطہر (صاحب) کا درج ذیل تاثر شائع ہوا:

''**تاثر مولانا محمد علی:** مولانا محمد علی شاہ پوری کا درج ذیل تاثر جس سے صدر الافاضل کے موقف کی تائید ہو رہی ہے، ملاحظہ ہو! لکھتے ہیں:

گرامی قدر صدر المدرسین کا باوجود اطناب کلام و مزید تعدی بلا ضرورت نام و بلا نیل ومرام رہ جانا کیوں؟ افسوس ناک مطالعہ نہیں، جب کہ فحوائے سوال دلالت کرتا ہے کہ اذان خطبہ اندر مسجد خلافِ محل و ناقابل عمل ہے جس پر روایت ''لایؤذن فی المسجد'' دلیل اول ہے۔ وفحوائے جواب از قسم'' نعم و لا '' سے ساکت۔ پس تطویل لاطائل و مدعائے جواب غیر ثابت۔ اس خصوص میں کاش اگر جناب صدر المدرسین صاحب اپنے عدم ملاحظہ تصریح کا اقرار فرما ہوتے، تو بلا شک یہاں اقرار عدم العلم دلیل کمال العلم اپنا نورانی جلوہ نمایاں کرتا''۔

(اخبار دبدبۂ سکندری ۱۲ مارچ ۱۹۱۷ء ج ۵۳ نمبر ۲۰ ص ۶)

(باقی آئندہ)

(قسط دوم)

بھارتی مسلمانوں کا ۷۵/سالہ دردناک سفر

از۔مولانا محمد زاہد علی مرکزی، چیئرمین تحریک علمائے بندیل کھنڈ، رکن روشن مستقبل دہلی

یہ مضمون رقم کرتے ہوئے ہم پھر ایک بڑا فساد دیکھ رہے ہیں، ہمارے ملک کی ایک ریاست منی پور میں قریب تین مہینے سے حالات بے قابو ہیں اور جو ویڈیوز منظر عام پر آئے ہیں وہ انسانیت کو شرم سار کرنے والے ہیں، شاید اس ملک کے مقدر ہی میں فسادات ہیں، خیر اس پر ہم پھر کبھی بات کریں گے، ابھی ہم پچھلی کڑی سے آگے بڑھتے ہیں۔

;1970 7-8 مئی: بھیونڈی (مہاراشٹر)

ہندو،44% مسلمان51%

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ: وسنت راؤ پی نائک،

پارٹی کانگریس، دسمبر 1963 تا فروری 1975

مہاراشٹر کی ریاست میں اس عرصے کے دوران بھیونڈی، جلگاؤں اور مہاڑ کے قصبوں میں خوفناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔1969 سے مسلم اکثریتی شہر بھیونڈی میں حالات کشیدہ تھے۔اکتوبر میں، ہندو رہنماؤں کو گمنام خطوط موصول ہوئے تھے جن میں 1969 کے احمد آباد فسادات کا بدلہ لینے کی دھمکی دی گئی تھی۔ پریس میں ان خطوط کی اشاعت اور فرقہ وارانہ تنظیموں کی طرف سے اشتعال انگیز تقاریر کے ایک سلسلے نے نفرت کی مہم میں اضافہ کیا۔ اس سے حالات مزید کشیدہ ہوئے، مارچ 1970 میں محرم اور ہولی جیسے مذہبی تہوار ایک ساتھ ہونے سے معاملات زیادہ بگڑ گیے۔

شواجی (1630-1680) کی برسی منانے والے شوجینتی جلوس پر فرقہ وارانہ تنازعات پیدا ہوئے۔شیوجینتی پہلی بار بڑے پیمانے پر 1964 میں منائی گئی، جب شوجینتی اتسو سمیتی نے اس کا اہتمام کیا۔ جشن کو خصوصی طور پر ہندو کردار ادا کرنا اور مسلم کمیونٹی کو تہواروں سے الگ کرنا تھا (جبکہ، وہ پہلے موسیقاروں کے طور پر شریک ہوئے تھے)۔1970 میں، RUM (راشٹریہ اتسو منڈل، BJS کے قریب ہندو فرقہ وارانہ تنظیم) نے شیوجینتی کے جلوس کے لیے ایک مہم کا آغاز کیا اور ایک اہم مسجد کے قریب نظام پورہ کے مسلم علاقے سے گزرے۔مسلم رہنماؤں کے احتجاج کے باوجود مقامی انتظامیہ نے جلوس کو متنازع راستے پر چلنے کی اجازت دی۔7 مئی کو، جلوس نے مسلم مخالف نعرے لگاتے ہوئے علاقے کا سفر کیا۔RUM مہم نے قریبی دیہاتوں سے 3,000 سے 4,000 لوگوں کو راغب کیا تھا۔وہ لاٹھیوں سے مسلح ہو کر آئے تھے۔نعرے بازی کے جواب میں کچھ مسلمانوں نے جلوس میں نکلنے والوں پر پتھراؤ کیا جس سے فساد برپا ہو گیا۔بھیونڈی کے فسادات سے متعلق مبالغہ آمیز افواہوں نے 8 مئی کو جلگاؤں قصبے میں بھی فرقہ وارانہ کشیدگی کو جنم دیا۔

مجموعی طور پر، جسٹس ڈی پی میڈن کمیشن آف انکوائری رپورٹ کے مطابق، تشدد کے نتیجے میں 164 افراد ہلاک ہوئے، جن میں سے 142 مسلمان اور 20 ہندو تھے۔یہ تعداد صرف بھیونڈی، کھونی اور

ناگون کے ملحقہ دیہاتوں کی ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 78 افراد ہلاک ہوئے: 17 ہندو اور 50 مسلمان تھے۔

(25–33:Chatterji 1995)(Madon 1970)

☆مئی 1974: دہلی 81% ہندو، 12% مسلمان

دہلی کے وزیر اعلیٰ: کوئی نہیں، دہلی، اس تاریخ تک، مرکز کے زیر انتظام علاقہ تھا، ریاست نہیں۔

دہلی میں صدر بازار کے علاقے میں فساد شروع ہوے، یہاں ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ یہ واقعات دو مسلم نوجوانوں اور ایک ہندو لڑکے کے درمیان معمولی جھگڑے کی وجہ سے پیش آئے۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک نے بعد میں اپنے دوستوں کو بلایا، جن میں کچھ چھوٹے مجرم بھی تھے، یہ چھوٹا جھگڑا تیزی سے بگڑ کر ایک سنگین ہندو مسلم تصادم میں بدل گیا۔ آتش زنی، پتھر بازی اور ہتھیاروں سے فائرنگ کی گئی۔ پولیس کو فسادیوں نے نشانہ بنایا، اور حالات پر قابو پانے میں ناکام رہے۔ خاص طور پر مسلم کمیونٹی کو نقصان پہنچا۔ ان فسادات میں گیارہ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جس کے بعد علاقے میں 45 دنوں کے لیے کرفیو لگا دیا گیا تھا۔

حوالہ (کرشنا کمیشن 1985)

☆۲۲،۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

وارانسی (اتر پردیش) 68% ہندو، 31% مسلمان

اتر پردیش کے وزیر اعلی: رام نریش یادو

جنتا پارٹی، جون 1977 تا فروری 1979

وارانسی (اتر پردیش) میں شروعاتی جھڑپیں یکم اکتوبر کو ہندو طلبہ اور ایک مسلمان بنکر کے درمیان جھگڑے کے بعد ہوئیں۔ 22 اکتوبر کو ایک بار پھر کشیدگی اس وقت پیدا ہوئی جب ہندو درگا پوجا کے جلوس نے ایک مسلم علاقے سے گزرنے کی کوشش کی۔ ایسا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور مسلمان اس معاملے پر کوئی ایسی نظیر قائم کرنے سے گریز کرنا چاہتے تھے جو بعد میں آئندہ بھی ایسے ہی جلوسوں کی اجازت دے۔ 23 اکتوبر کو جلوس نے بہت دھوم دھام سے مسلمانوں کے علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے مزاحمت کی۔ تشدد بھڑک اٹھا۔ دونوں فریق جنگ کے لیے مسلح تھے۔ کچھ رپورٹس سے ثابت ہوا کہ پولیس نے مسلمانوں کے علاقوں میں لوٹ مار اور آتش زنی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چاقو مارنے کے واقعات بھی پیش آئے۔ حیرت انگیز طور پر، زیادہ ہلاکتیں نہیں ہوئیں، تقریباً دس لوگ مارے گیے۔

حوالہ

(Khan and Mittal 1984)(47:Akbar 1978: 308)

☆۲۹ر مارچ ۱۹۷۸ء: سنبھل (اتر پردیش) 54% ہندو، 46% مسلمان۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ: رام نریش یادو، جنتا پارٹی، جون 1977 تا فروری 1979۔

مراد آباد ضلع کی ایک تحصیل سنبھل (اتر پردیش) میں تشدد ہوا جس کی 70 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ ایک مقامی ہندو کانگریسی کی قیادت میں ایک ہولی کا جلوس نکالا گیا جس میں خوبصورتی کا مقابلہ بھی تھا اور اس میں دو مسلم لڑکیوں نے بھی حصہ لیا تھا، اس وجہ سے مسلم لیگ کے ایک رہنما منظر شفیع مشتعل ہو گیے۔ گھیراؤ کے بعد کشیدگی بڑھ گئی، جس کی قیادت جھاڑو دینے والوں نے کی جنہیں تین ماہ سے تنخواہ

نہیں دی گئی تھی۔ غنڈوں کی مدد سے منظر شفیع نے بند (عام ہڑتال) کی کال دی۔ تشدد اس وقت بھڑک اٹھا جب ایک ہندو پان والے نے ہڑتال کی پیروی کرنے سے انکار کر دیا۔ ان فسادات میں پچیس افراد مارے گئے تھے جن میں بائیس ہندو متاثرین بھی شامل تھے۔
(Sharma 1978:59)(Ghosh 1987: 227–228)

☆۱۳/مارچ ۱۹۷۸ تا ۴/اپریل: حیدرآباد (آندھرا پردیش) 54% ہندو، 43% مسلمان۔ آندھرا پردیش کے چیف منسٹر: مری چنا ریڈی، کانگریس پارٹی، مارچ 1978 تا اکتوبر 1980۔

تین نسبتاً پرامن دہائیوں کے بعد، حیدرآباد (آندھرا پردیش) میں 24 مارچ کو ایک مسلم خاتون رمیزہ بی بی کے ساتھ مبینہ طور پر عصمت دری اور اس کے شوہر احمد حسین کے پولیس اہلکاروں کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد تشدد پھوٹ پڑا۔ مسلمانوں کا ایک ہجوم اپنے غصے کا اظہار کرنے کے لیے پولیس اسٹیشن کے گرد جمع ہو گیا۔ 31 مارچ کو ایک افواہ پھیلی کہ رمیزہ بی بی بالآخر پولیس کے ہاتھوں ماری گئی ہے۔ اگرچہ یہ افواہ غلط ثابت ہوئی، لیکن یہ تشدد کو ہوا دینے کے لیے کافی تھی۔ پندرہ افراد مارے گئے، ان میں سے کچھ کی موت پولیس کی گولی سے ہوئی۔ 1978 میں ان ابتدائی واقعات کے بعد، حیدرآباد کو تقریباً سالانہ فرقہ وارانہ فسادات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، خاص طور پر گنیش تہوار کے دوران، جس کے عوامی جشن کو اس وقت کے چیف منسٹر چنا ریڈی نے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے فروغ دیا تھا۔
(دیکھیں باب 4 "ہندو–مسلم فرقہ وارانہ فسادات انڈیا میں II" (1986) اور 1986–2020 میں)۔

(کمار 1978:76) (گھوش 1987:120-121)۔

۵/اکتوبر اور ۶/نومبر ۱۹۷۸ء۔ علی گڑھ (اتر پردیش) 57% ہندو، 41% مسلمان۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ: رام نریش یادو، جنتا پارٹی، جون 1977 تا فروری 1979۔

علی گڑھ (اتر پردیش) شہر میں دو موقعوں پر سنگین فسادات ہوئے۔ قومی اقلیتی کمیشن کی سالانہ رپورٹ (1979) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ 3 اکتوبر کو ایک ہندو اکھاڑے میں ایک پہلوان اور ایک بدنام زمانہ مجرم کو مسلم مجرموں کے ذریعہ بھورے لال کے اوپر وار کرنے کے بعد تشدد شروع ہوا۔ بھورے لال کے قریبی ہندو پہلوانوں نے اس کی موت کے خلاف احتجاج کے لیے ایک جلوس نکالا، اس کی لاش کو شہر میں گھمایا اور اشتعال انگیز نعرے بازی کی جیسے خون کے بدلے خون، ایک کے بدلے دس۔ اس فساد میں 12 افراد مارے گئے تھے۔ پی یو سی ایل (پیپلز یونین فار سول لبرٹیز) (1978) کی ایک رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی اقلیتی حیثیت (status) کے معاملے پر آر ایس ایس کے عناصر نے مہینوں سے شہر میں فرقہ وارانہ ماحول کو ہوا دے رکھی تھی۔ رپورٹ میں مقامی ہندو قوم پرست رہنما کے کے نَو مان کو تشدد میں ملوث ہونے پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ PAC (صوبائی مسلح کانسٹیبلری، اتر پردیش پولیس فورس) پر بھی ہندو فسادیوں کے ساتھ تعاون کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مقامی انتظامیہ نے صورتحال پر قابو پانے میں بہت کم عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

ایک ماہ بعد ۶/نومبر کو شہر میں دوبارہ بڑے پیمانے پر فسادات پھوٹ پڑے۔ پندرہ سے بیس افراد مارے گئے۔ یہ سب

مانک چوک کے علاقے میں نئے سینما ہال کی تعمیر پر کشیدگی بڑھنے کی وجہ سے ہوا۔ اس محلے کے مسلم باشندوں نے اس منصوبے کی مخالفت کی۔ ۵/نومبر کو بی جے ایس لیڈر، بلراج مدھوک کی ایک تقریر نے صورتحال کو مزید بھڑکا دیا، دو مسلم نوجوانوں کے درمیان جھگڑے نے ایک نئے فساد کو جنم دیا۔ فسادات ان علاقوں میں پھیل گئے جنہیں اکتوبر میں بچالیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا اور نچلی ذات کے ہندوؤں کے خلاف انتقامی کارروائیاں بھی کی گئیں۔

Sampradayikta Virodhi);(PUCL, 1978) ;(Surjeet 1978);(Committee 1978 Commission 'National Minorities) Ghosh);(17167–71;:Graff 1982);(1979) (90–96:Brass 2003);(214–215:1987

☆1979-11 اپریل: جمشید پور (بہار) 81% ہندو، 9% مسلمان۔ وزیر اعلیٰ بہار: کرپوری ٹھاکر، جنتا پارٹی، جون 1977 - 21 اپریل 1979۔

جمشید پور (بہار) 1964 ..... کے فسادات کے بعد، مسلمانوں کو مخصوص علاقوں، جیسے صابر نگر محلے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اسی عرصے کے دوران، ہندو قوم پرست تنظیمیں اپنے پڑوس میں ہندو دیوتاؤں اور رسومات کو متعارف کروا کر آدیواسیوں کو ''پولرائز'' کر رہی تھیں۔ 1978 میں آر ایس ایس نے رام نومی کا جلوس نکالنے کی کوشش کی جس کا آغاز آدیواسی کالونی ڈمنا بستی سے ہوا۔ اس کے بعد اسے صابر نگر کے مسلم حصے سے گزرنا تھا، لیکن ضلع انتظامیہ نے اس وقت اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ 1979 میں، آر ایس ایس نے ایک بار پھر، جلوس کو منظم کرنے کی کوشش کی۔ آر ایس ایس کے سربراہ بالا صاحب دیور اس کی تقریر کے بعد سے ہی شہر کا ماحول کشیدہ تھا۔ یکم اپریل کو مقامی آر ایس ایس سے وابستہ ممبر قانون ساز اسمبلی (ایم ایل اے) اور بی ایم ایس (بھارتیہ مزدور سنگھ، انڈین ورکرز یونین) کے رہنما دینا ناتھ پانڈے نے جلوس کو صابر نگر سے گزرنے کی اجازت دینے کے حق میں ایک پروپیگنڈہ مہم چلائی۔ ۷/اپریل کو ایک پمفلٹ گردش میں آیا جس میں ۱۱/اپریل کو لوگوں کو جمع ہونے کو کہا گیا تھا تاکہ زبردستی جلوس نکالا جا سکے۔ مسلم رہنماؤں کو ضلع انتظامیہ نے جلوس نکلنے دینے پر راضی کیا۔ ۱۱/اپریل کی صبح قریب 15,000 لوگ جمع ہوگئے۔ جلوس مسلم سیکٹر کے مینگو ایریا میں ایک مسجد کے قریب آکر رک گیا۔ یہاں بھی جواباً مسلمانوں کی طرف سے پتھراؤ کیا گیا۔ جتیندر نارائن کمیشن نے آر ایس ایس کو فرقہ وارانہ تشدد کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ۷/اپریل کو تقسیم کیے گئے کتابچے کو حکام کے لیے چیلنج، مسلم اقلیت کے لیے خطرہ، اور تشدد پر اکسانے کا ذمہ دار پایا نیز اس کی مذمت بھی کی۔ آدیواسیوں نے جمشید پور کے معاشی طور پر خوشحال مسلمانوں پر حملہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جتیندر نارائن کمیشن آف انکوائری کے مطابق اس فساد میں ایک سو آٹھ (108) افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، جن میں 79 مسلمان اور 25 ہندو تھے۔ دوسرے اندازوں میں مرنے والوں کی تعداد 120 بتائی گئی ہے، جن میں سے نصف سے زیادہ مسلمان تھے۔ کمیشن کے مطابق آر ایس ایس کے عناصر اور مقامی ایم ایل اے دینا ناتھ پانڈے نے اس فساد میں اہم رول ادا کیا۔

جاری........

قرآن کی بے ادبی کیوں؟

از۔مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی،روشن مستقبل دہلی

جس وقت دنیا بھر کے مسلمان ارکان حج ادا کرنے اور عیدالاضحٰی کی نماز پڑھنے میں مصروف تھے عین اسی وقت اتری یوروپ میں واقع سویڈن(sweeden) نامی ملک میں قرآن عظیم کوجلانے کابدترین عمل کیاجارہاتھا۔

مغربی ممالک میں قرآن کی بےادبی کا یہ پہلا معاملہ نہیں ہے۔اس سے پہلے بھی قرآن کی بے ادبی کے بہت سارے معاملات سامنے آچکے ہیں لیکن یہ معاملہ اس لیے بہت زیادہ سنگین ہوجاتا ہے کہ حالیہ واقعے میں سویڈن کی کورٹ نے باضابطہ قرآن سوزی کی اجازت دی تھی جس کی بنیاد پر پولیس کی حفاظت میں راجدھانی اسٹاک ہوم(stockholm) کی جامع مسجد کے سامنے ”سلوان مومکا“ نامی ملعون نے کمیروں کے سامنے قرآن سوزی کی بدترین حرکت کوانجام دیا۔سویڈن حکومت اورکورٹ کے طرزعمل نے مسلمانوں کے تئیں مغربی دنیا کے دوغلے کردار کوایک بار پھر بےنقاب کردیاہے۔

مغربی دنیا کی قرآن سے نفرت کیوں: مغربی دنیا میں آئے دن شعائر اسلام اورمقدسات اسلام کے خلاف ایسی حرکات ہوتی رہتی ہیں۔اس سے قبل 2010 میں امریکہ کے فلوریڈا میں ایک پادری ٹیری جونز،2011 میں پادری میگن فلپس،2012 میں بگرام ائیر بیس اورگوانتا ناموبے جیل میں امریکن فوجیوں کے ذریعے قرآن کریم کی بےادبی کے واقعات منظرعام پر آئے تھے۔
سویڈن کے پڑوسی ملک ڈنمارک میں اسٹرام کرس(stram kurs) نامی سیاسی پارٹی باضابطہ کئی شہروں میں اجتماعی طور پر قرآن سوزی کی بدترین حرکتیں کرتی رہی ہے۔اپریل 2022 میں اس پارٹی کے لیڈر راسموس پالوڈن(Rasmus paludan) نے ڈنمارک کے مختلف شہروں میں قرآن کریم کوجلایا تھا جس کی وجہ سے ڈنمارک میں شدید فسادات برپا ہوئے تھے۔ان واقعات کا سب سے بدترین پہلو بھی یہی تھا کہ ان سارے حادثات کوان ممالک کی کورٹ کچہریوں نے آزادی اظہار رائے (Freedom of expression) کےتحت قانوناً جائز قرار دیا تھا۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر مغربی دنیا قرآن کریم کی بے ادبی کیوں کرتی ہے؟ان کے اس جارحانہ اقدام کوردعمل کا نام بھی نہیں دیا جاسکتا کہ آج تک مسلم دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی بھی مذہبی شخصیت یامذہبی کتاب کی توہین کا کوئی ایک واقعہ بھی دیکھنے/سننے میں نہیں آیا۔حتیٰ کہ قرآن سوزی کے مسلسل واقعات کے بعد بھی انتقامی طور پر بھی کس مسلمان کی جانب سے مذکورہ افراد وممالک کی مذہبی کتب وشخصیات کی توہین کرنا تو دور اس کی دھمکی بھی نہیں دی گئی۔اس کے باوجود اگر غیرمسلم حکومتیں،تنظیمیں اور افراد یہ حرکات کرتے ہیں تواس کی بنیادی وجہ دو ہیں:

1۔اسلام کے مقابلہ سے عاجزی

2۔سیاسی مفادات کاحصول

سیاسی وعسکری محاذ پر مسلمانوں کی کمزوری کے باوجود مذہبی ترویج واشاعت کے میدان میں مسلمان دیگر اقوام سے میلوں آگے ہیں۔طبقۂ اول سیاسی وعسکری غلبے اور تمام تر سازشوں کے باوجود اسلام کے مقابلے سے خود کو عاجز محسوس کرتا ہے۔اسلام کی مقبولیت اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اُنہیں بہت زیادہ کھٹکتی ہے۔مخالفین جب اسلام کا علمی وعقلی مقابلہ کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو اپنی جھلاّ ہٹ اور غصہ نکالنے لیے شعائر اسلام،مقدسات دین کی توہین اور بے ادبی پر اتر آتے ہیں۔مسلمان خاموش رہیں تو ان کی ہمتیں اور بڑھتی ہیں اور ردعمل ظاہر کردیں تو شدت پسندی اور دہشت گردی کا الزام لگا کر بھولا بننے کی ایکٹنگ کرنے لگتے ہیں۔

طبقہ دوم میں وہ لوگ ہیں جو اپنے ممالک اور حلقوں میں سیاسی قوت حاصل کرنے کے لیے اسلام دشمنی کو ایک ٹول (Tool) کی طرح استعمال کرتے ہیں تا کہ جذباتیت کے سہارے کم وقت اور بغیر کسی محنت کے اقتدار اور شہرت مل جائے۔اس گندی ذہنیت کے حاملین ان ممالک میں بھی اسلام کے خلاف مہم چلاتے ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہے،لیکن مسلم دشمنی کے نام پر انہیں سیاست کرنے میں آسانی ہوتی ہے اس لیے یہ لوگ آئے دن ایسی بدتمیزیاں کرتے رہتے ہیں۔

اس کا حل کیا ہے؟: مغربی دنیا میں آئے دن ایسی بدتمیزیاں ہوتی رہتی ہیں۔اس کے جواب میں کچھ اسلامی ممالک وقتی طور پر متعلقہ ملک سے سفارتی شکایت درج کراتے ہیں، یا بطور احتجاج اپنا سفیر (Ambassador) واپس بلا لیتے ہیں۔زیادہ کرتے ہیں تو مسلم ممالک کی متحدہ تنظیم او آئی سی (organization of islamic cooperation) کا اجلاس بلا کر ایک مذمتی قرارداد پاس کردی جاتی ہے۔ان تمام تر کاروائیوں کے باوجود ''اسلاموفوبیا'' کے تناسب میں کوئی کمی نہیں آئی۔اس کا مطلب صاف ہے کہ مرض جیسا ہے علاج ویسا نہیں ہو پا رہا ہے۔اس لیے مرض گھٹنے کی بجائے دَم بدم بڑھتا جا رہا ہے۔

کہنے کو او آئی سی میں 57 مسلم ممالک شامل ہیں۔کئی ممالک اقتصادی اور فوجی اعتبار سے خاصے مضبوط بھی ہیں لیکن نظریاتی کمزوری اور ملکی وذاتی مفادات کی وجہ سے ضروری اقدامات کرنے سے خود کو عاجز سمجھتے ہیں۔اس لیے اپنے قیام سے لے کر آج تک یہ تنظیم اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکی۔اس کا کام صرف مذمتی قرارداد پاس کرنا ہے اور کچھ نہیں۔اس لیے اس محاذ پر امت مسلمہ خود کو بے بس اور بے سہارا محسوس کرتی ہے۔رہ جاتے ہیں مسلم عوام اور تنظیمیں،ان میں سے اکثریت جلسہ وجلوس کی شکل میں احتجاج کرکے اپنے حکمرانوں کا ضمیر بیدار کرنے اور مخالفین اسلام کو غیرت ایمانی دکھانے کی مخلصانہ کوشش کرتے ہیں۔یہ احتجاجات جذبہ ایمانی کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن اب ہمیں اس سے آگے بڑھ کر کچھ اور بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔اس محاذ پر یہ اقدامات مخالفین اسلام کا بہتر جواب ہو سکتے ہیں:

☆ ہر مسلمان قرآن سے عملی وابستگی اختیار کرے۔

☆ غیر مسلموں تک قرآن کے تراجم پہنچائے جائیں۔

☆ اہل علم خاص موضوعات پر اچھے اسلوب میں تحریر وتقریر تیار کریں۔

☆ غیر مسلموں کے مابین قرآنی موضوعات پر سیمینار اور سمپوزیم

منعقد کیے جائیں۔

☆ قرآنی اسلوب کے مطابق غیر مسلموں کے اعتراضات کے جوابات علمی اور عقلی انداز میں تیار کیے جائیں اور انہیں منظّم انداز میں عام کیا جائے۔

☆ قرآن سوزی کے واقعات کو معروضی انداز میں مرتب کر کے دستاویزی شکل میں عام کیا جائے۔

☆اس کام کے لیے تحریر وتقریر کے ساتھ ساتھ ڈاکومنٹری بھی تیار کی جائیں۔

☆تبلیغ اسلام اور تعلیم قرآن کو ایک مشن کے طور پر اپنا نصب العین بنائیں۔

☆ قرآنی موضوعات کو ترتیب وار درج کیا جائے اور اس پر ماہرین سے کام کرایا جائے۔

☆ تدوین قرآن، نظم قرآن اور اسلوب قرآن پر بہترین پیش کش کے ساتھ مسلسل محفلیں منعقد کی جائیں۔

☆ مدارس میں تفسیر قرآن کے نصاب میں نئی اور مفید کتابیں شامل کی جائیں۔

☆ بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور ہر عمر کی خواتین کے لیے قرآنی واقعات اور احکام سے مفید اور آسان کتابیں ورسالے تیار کئے جائیں۔

یاد رکھیں! موجودہ دور میں امت مسلمہ سیاسی وعسکری محاذ پر بے حد کمزور ہے۔ ایسے میں علما اور عوام کو اپنی سطح پر ہی اقدامات کی ضرورت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں سیف وسنان کام نہیں آتے وہاں مبلغین کی تبلیغ پتھروں میں شگاف ڈال دیا کرتی ہے۔ ہمیں ایک بار پھر اپنے بزرگوں کے اسی مشن اور جذبہ کو زندہ اور بیدار کرنا ہے جس کے بوتے انہوں نے دشمنوں میں گھس کر ان کے دلوں کو موم کر ڈالا تھا۔ جذبات سچے اور ارادے پکے ہوں تو رب کائنات کسی سے بھی اپنے دین کا کام لے لیا کرتا ہے۔ اپنے حصے کا کام کرتے رہیں اور رب تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ انصاف پسند حکمرانوں کا دور آئے۔ نظام عدل قائم ہو اور ظالموں سے ان کے ظلموں کا پورا پورا حساب لیا جائے۔ یقیناً دور انصاف آئے گا کہ ایسی کوئی رات نہیں جس کی صبح نہ ہو اور ایسی کوئی مشکل نہیں جو آسان نہ ہو۔ اس سلسلہ میں تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ جب جب اسلامی حکمراں اور اسلامی نظام سلطنت کمزور پڑا اور اسلامی تبلیغ و اشاعت ،تعلیمات اسلامیہ کے فروغ کے لیے کوشاں ادارے سلطنت اسلامیہ کی سرپرستی سے محروم ہو گئے تو ان میدانوں کو سر کرنے کا بیڑا اہل خانقاہ نے اٹھایا۔ صوفیائے کرام اور بزرگان دین میں ان حالات میں اپنے خانقاہی نظام کو مضبوط کیا، اسلام مخالف ذہنیت رکھنے والے افراد کو اسلامی اخلاق و آداب سے متاثر کر کے مذہب اسلام کے قریب کیا، مایوس کن حالات کا شکار اور خود اعتمادی سے عاری مسلم معاشرہ کو ان خانقاہوں اور اہل خانقاہ نے حوصلہ دیا، ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کی، اپنی پاکیزہ تعلیم وتربیت اور مجاہدو ریاضت سے ان کے اندر حوصلہ پیدا کیا، انہیں اللہ ورسول اور اہل اللہ سے قریب کیا جس کی وجہ سے ان کے قلب وذہن روشن ومنور ہو کر جرأت مندانہ اور فراست مومنانہ سے آراستہ ہو گئے۔ اس وقت ضروری ہے کہ ہم اپنی خانقاہوں کو اسی طریقہ پر گامزن رکھنے کی طرف پیش قدمی کریں کہ جو ان کی زریں تاریخ رہی ہے۔ ہم اپنے خانقاہی نظام کو مضبوط سے مضبوط کر کے امت مسلمہ کی قیادت ورہنمائی کا سامان تیار کریں۔

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

علم توقیت کی اہمیت وافادیت

از۔مولانا غلام مصطفیٰ رضوی،استاذ مدرسہ حامدیہ اشرفیہ سنبھل یوپی

علم توقیت: وہ فن ہے جس سے استخراج اوقات صوم وصلوٰۃ مثلاً طلوع وغروب، ضحوۂ کبریٰ (زوال شرعی) زوال عرفی،ختم سحری (طلوع فجر صادق) طلوع فجر کاذب،مثل اول،مثل ثانی اورسمت قبلہ وغیرہ کی تعین میں مدد لی جاتی ہے۔

علم توقیت دیگر علوم وفنون کی طرح کوئی مستقل فن نہیں بلکہ مختلف فنون جیسے مثلث کروی، علم الحساب،لوگارثم، ہیئت وتشریح، ہندسہ وغیرہ کے کچھ قواعد کا مجموعہ ے۔اس علم کی اہمیت خود کلام اللہ میں موجود ہے۔قال تعالیٰ:

”اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۔الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًاوَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَ يَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا۔“

ترجمہ:بیشک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات ودن کی باہم تبدیلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا۔

حضرت حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی قدس سرہ العالی فرماتے ہیں:

”من لم یعرف الھیئة والتشریح فھوعنین فی معرفة اللہ“

یعنی جو ہیئت وتشریح نہیں جانتا وہ اللہ کی معرفت میں نامرد ہے۔

علم توقیت وہ علم ہے کہ مسائل نکاح وطلاق اور مسائل عدت میں اس کی حاجت،علم فرائض،سفرحج اور سمت قبلہ کی تعیین میں اس کی شدید ضرورت پڑتی ہے۔قطب نما گھڑی سے تو صرف مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی جہتیں ہی معلوم ہوسکتی ہیں۔مگر شمالی و جنوبی اور شرقی وغربی کہاں اور کتنا انحراف ہے؟ بغیر علم ہیئت اور علم توقیت جانے ان سب کا حل دشوار ہے۔مثلاً

☆ایک شخص امریکہ کے شہر واشنگٹن میں ہے اور اس کی بیوی ہندوستان کے شہر دہلی میں ہے۔اس نے واشنگٹن میں بوقت ۱۲/بجے دن اپنی بیوی کوطلاق دے دی۔اب عدت واشنگٹن کے ۱۲/بجے دن سے شمار ہوگی یا دہلی کے بارہ بجے دن سے؟ نیز واشنگٹن کے ۱۲/بجے دن کی تحویل یہاں دہلی کے کس وقت سے ہوگی؟

☆یونہی اگر وہ اپنی مطلقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا چاہے تو کہاں کا وقت اور کیا وقت معتبر ہوگا؟

☆اسی طرح زید نے اپنی زوجۂ حاملہ کو دہلی میں طلاق دی اور اس مطلقہ بیوی نے اسی دن بعد طلوع آفتاب کلکتہ میں بچہ جنا تو عدت کی ابتداء وانتہاء کلکتہ کے طلوع آفتاب کے بعد سے مانی جائے گی یا دہلی کے طلوع آفتاب کے بعد سے؟

☆یونہی زید کا انتقال مثلاً دمشق میں ۸/بجے رات کو ہوا اور اس کے بیٹے کی وفات جدہ شریف میں ۸/بجے رات کو ہوئی تو کون کس کے ترکے کا مستحق ہوگا؟

اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں کہ جن کا حل بغیر علم توقیت جانے دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن حجر مکی قدس سرہ نے اس کو حاصل کرنا "زواجر" میں فرض کفایہ فرمایا اگر چہ بعض علماء نے فرمایا کہ علوم حکمیہ کا فقہیات میں اعتبار نہیں:

"قال القهستانی: و منهم من بنی علی بعض العلوم الحکمیة الا ان العلامة البخاری قال فی الکشف ان اصحابنا لم یعتبروه۔"

(ترجمہ۔قہستانی کا قول ہے کہ ان ہی میں سے وہ حضرات بھی ہیں جنہوں نے بعض علوم حکمیہ پر اعتماد کیا ہے۔البتہ علامہ بخاری نے "کشف" میں یہ فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب نے اس کا اعتبار نہیں کیا)

لیکن علامہ شامی قدس سرہ السامی "ردالمحتار" میں فرماتے ہیں:

"اقول :لم ار فی المتون ما یدل علی عدم اعتبارها ولنا نعلم مانهتدی به علی القبلة من النجوم۔ قال تعالیٰ : هوالذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمٰت البر والبحر۔"

یعنی مجھے متون میں ایسی بات کہیں نہ ملی جو عدم اعتبار کا پتہ دیتی ہو۔ بلکہ ہمیں چاہیئے کہ نجوم سے ہم سمت قبلہ کی رہنمائی حاصل کریں کیوں کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں"۔

تو جن فقہاء نے غیر معتبر کہا وہ ان مقامات کے لئے ہے جہاں زمانہ قدیم سے محرابیں بنی ہوئی ہیں جو سلف اور جمہور مسلمانوں سے چلی آ رہی ہیں لیکن جہاں محرابیں نہیں جیسے سمندروں، صحراؤں، کوہستانوں وغیرہ میں تو وہاں علوم حکمیہ مثلاً علم الاسطرلاب والربع المجیب و علم توقیت وغیرہ معتبر ہیں کہ اگر یہ علوم مفید یقیں نہیں تاہم مفید ظن ضرور ہیں اور ایسے مقامات میں غلبہ ظن بھی کافی ہوتا ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں:

والظاهر ان الخلاف فی عدم اعتبارها انماهو عند وجود المحاریب القدیمة اذ لاتجوز التحری معها کما قد مناه لئلاتلزم تخطیئة السلف الصالح وجماهیرالمسلمین بخلاف ما اذا کان فی المفازة فینبغی وجوب اعتبار النجوم و نحوها فی المفاذة لتصریح علمائنا وغیرهم بکونها علامة معتبرة فینبغی الاعتماد فی اوقات الصلوٰة وفی القبلة علی ذکره العلماء الثقات فی کتب المواقیت و علی ماوضعوه لما من الآ لات والاسطرلاب فانها ان لم تفد الیقین تفد غلبة الظن للعالم بها وغلبة الظن کافیة فی ذالك۔

خیال رہے کہ علم نجوم جس کے ذریعہ حوادث کون وفساد پر تشکلات فلکیہ،اوضاع افلاک و کواکب، مقابلہ، مقارنہ،تثلیث وتسدیس وتربیع وغیرہ سے استدلال کیا جاتا ہے اس کی بھی قسمیں ہیں:

(۱) حسابیات۔

(۲) طبعیات۔

(۳) وہمیات۔

حسابیات: علم یقینی ہے۔کبھی شرعاً اس پر عمل بھی ہوتا ہے جیسے طلوع فجر کاذب وطلوع فجر صادق، ضحوۂ کبریٰ (زوال شرعی)، زوال عرفی، مثل اول، مثل ثانی وغیرہ اوقات صوم وصلاۃ۔ یہ شرع میں مفید ہے۔

طبعیات: جیسے بروج فلکیہ میں انتقال شمس سے استدلال تبدل فصول، جاڑا گرمی، برسات اوراعتدال پر۔ شرعاًاس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

وہمیات: جیسے اتصال کواکب سے حوادث سفلیہ خیر وشر پر استدلال۔

تو جن علماء نے علم نجوم کو غیر معتبر کہا وہ از قبیل وہمیات ہے۔ ''فتاویٰ بزازیہ'' میں ہے:

تعلم علم النجوم فی معرفة القبلة واوقات الصلوٰة لا باس به والزیادة حرام۔ لہٰذا دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔

اعلیٰ حضرت کے ذریعہ علم توقیت کا احیاء: یہ علم زمانہ دراز سے مفقود الخبر ہو چکا تھا۔ نہ اس کی کوئی مستقل کتاب ملتی نہ اس کے عالم کا دور دور تک پتہ تھا۔ اس لئے جب حضرت ملک العلماء، حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مولانا حکیم سید شاہ عزیز غوث بریلوی اور حضرت سید محمود جان بریلوی قدست اسرارہم نے اسے حاصل کرنا چاہا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اس کے اصول وقواعد زبانی قلمبند کرائے۔ یہ حضرات لکھتے اور یاد کرتے گئے۔ امام احمد رضا حضرت ملک العلماء کی نسبت فرماتے ہیں:

''علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے ''زواجر'' میں اس کو فرض کفایہ لکھا اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامۂ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا۔ اور سات صاحب بنانا چاہے تھے، جن میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں (حضرت ملک العلماء) نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان مبارک کے لئے، یہی بناتے ہیں۔''

پھر حضرت ملک العلماء نے اس علم میں مہارت حاصل کی اور جملہ قواعد علم توقیت بتفصیل تام اپنی کتاب ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' معروف بہ ''توضیح التوقیت'' میں جمع فرمادیئے۔ ہر قاعدہ کو مثالوں سے واضح فرمادیا اور حاشیہ میں مختلف مقامات کی تشریح فرمادی کہ اب نہ ''ناٹیکل المینک'' کی ضرورت رہی نہ دیگر کتابوں کی۔ ''توضیح التوقیت'' کے ساتھ صرف Chambers's Seven Figure Mathematical Table.

یا پھر دوسری کتاب جس میں
جیب (Sine)
جیب التمام (Cosine)
ظل (Tang)
ظل التمام (Contang)
سہم (Secant)
سہم التمام (Cosecant)
کی جدولیں ہوں اور اس کے ساتھ Oxford Atlas جس کے اخیر میں شہر اور مشہور مقامات کے عرض البلد (Latitude)
طول البلد (Longitude)
درج ہوتے ہیں ان کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب کی ضرورت نہ رہی۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے علم توقیت میں مندرجہ ذیل کتابیں:

(۱) الانجب الانیق فی طرق التعلیق۔
(۲) زیج الاوقات للصورم والصلوٰة۔
(۳) تاج التوقیت۔
(۴) درء القبح عن درك الصبح۔
(۵) سر الاوقات۔
(٦) کشف العلة عن سمت القبلة۔

تصنیف فرما کر اس کو نئی زندگی عطا فرمادی۔ کشف العلة میں سمت قبلہ کی نسبت ایسی تحقیق فرمائی کہ جس کی نظیر آج دنیا میں نہیں ملتی۔ حضرت ملک العلماء فرماتے ہیں کہ سمت قبلہ نکالنے کے اگرچہ قواعد بہت ہیں جن میں سے چند قواعد فقیر نے رسالہ ''سلم الافلاك''میں بیان کئے ہیں مگر اس جگہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے رسالہ ''سمت قبله'' سے باب دوم پر اکتفاء کروں جس کے ۱۰ رقواعد تمام روئے زمین، زیروبالا، بحروبر، سہل وجبل، آبادی وجنگل سب کو محیط ہیں کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو، نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض و طول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھادیئے جائیں تو کعبۂ معظّمہ کو خاص روبرو پائیں۔

علامہ قمرالزماں اعظمی صاحب کو صدمہ

مؤرخہ ۵ رمحرم الحرام ۱۴۴۵ھ/۲۴ رجولائی ۲۰۲۳ء بروز پیر شام کے وقت ممبئی کی سرزمین پر خطیب ایشیاء و یورپ حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے جواں سال فرزند ارجمند جناب ارشد الزماں خاں صاحب کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ حضور صاحب سجادہ حضرت سبحانی میاں صاحب نے تعزیت پیش کرتے ہوئے خانقاہ شریف میں ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی محفل منعقد کرائی۔ اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے والد گرامی کو ہمت وحوصلہ اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(ادارہ)

نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از۔ مفتی کلیم احمد رضوی، پوکھریرا سیتامڑھی بہار

میرا شافع سرِ میزان ہے سبحان اللہ
وجد میں مژدۂ غفران ہے سبحان اللہ
رفعت ذکر کی محفل ہے گلستانِ جہاں
بلبلِ عشق غزل خواں ہے سبحان اللہ
جوہر حسنِ جہاں ہے رخِ والشّمس ترا
تیرا جلوہ مہِ کنعان ہے سبحان اللہ
سنبلستان ہے جو کِشتِ تخیل شاہا
مدحتِ زلف کا فیضان ہے سبحان اللہ
واہ کیا حسن تبسم ہے کہ چاروں جانب
بارش لُؤ لُؤ ومرجان ہے سبحان اللہ
آپ بہتے چلے جاتے ہیں اَلَم کے خاشاک
یم رحمت کا وہ سیلان ہے سبحان اللہ
کان حکمت ہیں حضور آپ کے سارے فرمان
حرف حرف آپ کا لقمان ہے سبحان اللہ
واہ کیا شان سلیمان عرب ہے، جن کی
مملکت عالم امکان ہے سبحان اللہ
حسن سرکار کی تفہیم ہے مقصد اس کا
چاند بھی آپ کا حسان ہے سبحان اللہ
واہ کیا تابش رخ تیری ہے اے بدر منیر
دیدۂ آئینہ حیران ہے سبحان اللہ
''ماطغیٰ'' حسن نگاہی کی گواہی ہے کلیم
چشم ''مازاغ'' کی کیا شان ہے سبحان اللہ

مسلمانان ہند اور قائدین مسلمانان ہند

ازقلم۔مولانا محمد تحسین رضا،ٹیکنیشین کویت نیشنل پیٹرولیم کمپنی،کویت

ہم جس ملک میں رہتے ہیں اس کی حفاظت اور اس کے ساتھ وفا کرنا ہمارا ملکی فریضہ ہے۔چونکہ ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں۔اس لئے گاؤں، محلّہ، شہر قصبہ اور ملک وصوبہ میں ان تمام ادیان و مذاہب کے درمیان شرعی دائرے میں رہ کر جتنی شریعت نے اجازت دی ہے اس کے مطابق آپسی اخلاقی وسماجی توازن برقرار رکھتے ہوئے اپنے ایمان واعمال پر قائم رہنا ایک چیلنج سا ہوتا ہے۔

تاریخ ہندوستان میں ووٹ اور اقتدار کی خاطر بعض سیاسی جماعتوں کی جانب سے ہمیشہ کسی نہ کسی بڑے طبقہ کو یک طرفہ کرنے کے لیے سماج کے درمیان نفرت وعداوت کے زہر آلود بیج بونے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی ہے۔گزشتہ چند سالوں میں حکومتی سطح پر اس سلسلہ میں کافی جارحانہ وشاطرانہ انداز میں پیش قدمی کی گئی۔پہلے جلسوں اور اشتہاروں سے یہ کام لیا جاتا تھا لیکن اب نیشنل اور سوشل میڈیا کے ذریعے یہ نفرت پھیلانے اور مسلمانوں کو اس ملک میں الگ تھلگ کرنے کا کام لیا جارہا ہے۔جو کام پہلے مہینوں اور ہفتوں میں ہوتا تھا اب وہ منٹوں میں ہورہا ہے۔حکمرانوں کی شہ پر کچھ منافرتی طبقے اور فرقہ پرست عناصر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف روزانہ کوئی نہ کوئی پروپیگنڈہ یا سازش رچتے رہتے ہیں جس کی زد میں آکر سماج کا بیشتر حصہ مسلمانوں کو بری نظر اور نفرتی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے۔ایسی صورت میں دینی رہنماؤں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اور آپ کب اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں گے، کب ہم سرزمین ہندوستان پر اپنی قوم اور اپنے سماج کو تحفظ فراہم کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں گے۔آخر کب ہم بیدار ہو کر اس نفرت بھرے ماحول کو مسلمانان ہند کے لئے سازگار بنانے کی مخلصانہ جدوجہد کریں گے۔

علمائے کرام، مشائخ عظام اور اہل خانقاہ کی اس وقت ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھ چکی ہیں اور انہیں شریعت نے جو منصب عطا فرمایا ہے اس کے مطابق انہیں یہ کرنا بھی چاہیئے۔کیونکہ آپ کے لئے تو قرآن کی آیت آئی:''انما یخشی الله من عباده العلماء''۔حدیث کا پیغام آیا: العلماء ورثه الانبیاء۔ اب ہم اور آپ اور کیا چاہتے ہیں؟ ہمارے صرف مذہبی حلیہ بنالینے اور مذہبی چوغہ پہن لینے سے کام نہیں چلے گا۔اپنی معاشی مصروفیات میں سے کچھ لمحات بچا کر مذہب اسلام اور قوم مسلم کے لئے ہم صرف کریں اور سرزمین ہند پر دشمنان اسلام کی طرف سے امت مسلمہ، شریعت مطہرہ اور اسلامی رسم ورواج پر جو اعتراضات اور حملے کئے جارہے ہیں ان کا سنجیدگی کے ساتھ معروضی انداز میں دفاع کریں۔

بہتر یہ ہے کہ جب بھی کوئی پروپیگنڈہ سامنے آئے جیسے طلاق کو عورتوں پر ظلم کہا جاتا ہے، حجاب کو خواتین پر زیادتی مانا جاتا ہے، ختنہ کو بچوں پر ستم تصور کیا جاتا ہے، ذبح شرعی کو قتل اور ہتیا سے تعبیر کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ تو ان سب کا معقولی انداز اور معروضی لب ولہجہ میں جواب دیا جائے اور یہ کام ہندی اور انگریزی زبانوں میں کیا جائے۔آج اسلامی طور طریقوں کو اس انداز میں یہ دشمن پیش کررہے ہیں کہ غیر تو غیر خود اپنے بھی اب مشکوک ہوتے جارہے

ہیں۔گویا اسلام کے ہر اصول وضوابط کو وہ غلط طریقے سے پیش کرتے ہیں اور پھران پروپیگنڈوں کو سوشل میڈیا اور ٹی وی چینلوں کے ذریعے ایک ایک فرد تک پہنچا کر اسلام و مسلمین کے خلاف ایک ماحول سازگار کر دیتے ہیں جس کے بعد دنگے اور فسادات خود بخود بھڑکنے لگتے ہیں۔

ایسے حالات میں ہم اور آپ ان فتنوں کا جواب انہیں سوشل میڈیا کے ذریعے عام فہم زبان میں اخوت و محبت بھرے لہجے میں اور عقلی و سائنسی نقطہ نظر میں دُنیاوی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش کریں اور اسلام کے پیغامات کی اہمیت وافادیت کو خوب خوب کتابت و خطابت کی شکل میں سمجھانے کی کوشش کریں اور یہ باور کرائیں کہ دیکھو اس میں دنیائے انسانیت کے لئے کتنے فائدے ہیں۔ ہر مسئلہ پر بالتفصیل لکھیں اور بولیں اور پھر اسے سوشل میڈیا پر اپلوڈ کریں۔

میں اپنے ہم عصر اور نو فارغین علماء کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اور آپ نے فقیہ زماں، محقق دوراں، شیر بہار و بنگال اور خطیب ہندوستان اور پتہ نہیں کیسے کیسے القاب لگوا لئے لیکن معاشرے کی اصلاح اور مسلمانان ہند کی موجودہ دور میں فلاح و بہبود کے نام پر آج ہمارا کوئی خاطر خواہ کردار سامنے نہیں آ رہا۔ غیر تو غیر خود اپنے بھی آج ہماری تعلیم، ہماری خطابت اور ہمارے وعظ و نصائح سے متاثر نہیں ہو پا رہے ہیں۔ بعض اصلاحی خطابت کرتے بھی ہیں تو ان کا انداز بیان ایسا ہوتا ہے جیسے وہ کرسی نہیں اسٹیج ہی توڑ ڈالیں گے۔ ان کے اس انداز بیان اور ہیبت خطابت کو دیکھ کر غیر تو غیر خود ہمارے اپنے بھی متنفر ہونے لگے ہیں۔ ایسے میں ہمیں اپنے انداز بیان میں سنجیدگی، لہجے میں نرمی، باتوں میں نصیحت، تفہیم میں معقولیت و معروضیت اور بیان میں دلکشی پیدا کرنا ہوگی تاکہ ہماری اور آپ کی بات عوام کے دلوں پر نقش کالحجر ثابت ہو سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک تو ہم اپنے بزرگوں کے کئے گئے مخلصانہ کاموں، للّٰہیت کے ساتھ کی گئی ان کی خدمات دینیہ اور ان کی محنتوں پر جی رہے ہیں۔ واقعی ہمارے بزرگوں نے مذہب و مسلک کے لئے ایسی بے لوث خدمات انجام دی ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم ابھی تک کچھ نہ کچھ مذہبی شناخت رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ہم نے محنت کرنا شروع نہ کی تو یاد رکھئے کہ "تاریخ اندلس" کسی سے چھپی نہیں ہے۔ اندلس جو ایک دور میں دنیا کا سب سے بڑا مسلم اکثریتی والا ملک تھا، جہاں مسلمانوں نے خود 806 سالوں تک حکومت کی تھی مگر جب ذمہ داران مذہب نے تساہلی سے کام لیا اور آسمانی مدد کے منتظر رہے، عیش و عشرت کے دلدادہ اور موقع پرست بن گئے، ہر شخص قیادت کا دم بھرنے لگا، منافرت اور سازش عروج پکڑنے لگی، مذہبی اور سیاسی افراد ایک دوسرے کے خلاف سازشیں رچنے لگے، ہر ایک پردے کے پیچھے سے اپنے فریق مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے شاطرانہ چالیں چلنے لگا تو وہاں کے مسلمانوں پر ایسی مصیبت مسلط ہوئی کہ آج وہاں کوئی کلمہ پڑھنے والا تک موجود نہیں ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے اندلس سے مسلمانوں کا صفایا ہو گیا۔ خدانخواستہ کہیں اس سرزمین پر ہمارا بھی وہی حشر نہ ہو جائے۔ قبل اس کے کہ اندلس جیسے حالات پیدا ہوں ہمیں اور آپ کو بلکہ ہمارے صاحب جبہ و دستار قائدین کو بروقت بیدار ہو جانا چاہیئے۔ ذاتی تنازعات کی وجہ سے پردے کے پیچھے رہ کر اپنے فریق مخالف کے خلاف شاطرانہ سازشیں رچنے کے بجائے ہمارے قائدین کو مسلمانان ہند کے تحفظ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت و پاسبانی کے لئے مضبوط لائحۂ عمل تیار کر کے عملاً کوششیں کرنا چاہیئے۔

☆

رحمت عالم کے خواتین پر احسانات

از۔ میمونہ اسلم، جامعہ نقشبندیہ کنز الایمان، منڈی بہاؤ الدین

وہ ہر عالم کی رحمت تھے کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

اس جہان رنگ و بو میں کوئی مخلوق ایسی نہیں جو محسن انسانیت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر احسان نہ ہو۔ ہر ایک کو آپ کی رحمت والفت سے حظ وافر ملا ہے۔ آپ نے بھٹکتی ہوئی انسانیت کو ہدایت کا رستہ دکھایا، مظلوموں کی دادرسی کی، بے سہاروں کا سہارا بنے، لاچاروں کا چارہ بنے، کائنات جو جور وستم سے بھری ہوئی تھی اسے عدل وانصاف سے بھر دیا، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا، نوجوان ہو یا بوڑھا، ہر ایک کے لیے آپ نے حقوق مقرر فرمائے۔ پھر خواتین پر آپ کے اس قدر احسانات ہیں کہ اسکا کما حقہ شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ آپ نے عورت کو پستی وذلت سے نکال کر عزت کا وہ مقام عطا فرمایا کہ کوئی مہذب سے مہذب معاشرہ اس کی مثال نہیں پیش کرسکتا۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے کائنات سسک رہی تھی، ہر طرف ظلم وستم، جبر وبربریت کی آندھیاں چل رہی تھیں اور خواتین کے احوال ناگفتہ بہ تھے۔ یونانی تہذیب ہو یا عرب معاشرہ، یورپ ہو یا افریقہ ہر جگہ عورت ناروا سلوک سے گزر رہی تھی، کوئی اسے انسان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، تو کوئی اسے فتنہ کا سبب سمجھتا تھا۔ کوئی اس کی پیدائش پر ناخوش ہوتا تو کوئی اسے زندہ درگور ہی کر دیتا، کوئی اس کی پرورش کو اپنے لیے بوجھ سمجھتا تو کوئی اسے باعث عار سمجھتا۔ کسی کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تو اولاد اسے مال سمجھ کر منڈیوں پر لے جا کر اسے فروخت کر دیتی۔ جاہلی معاشرہ میں اگر بالفرض شادی بھی کی جاتی تب بھی تکریم کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ نہ اسکی رضا کی کوئی حیثیت تھی۔ کبھی ''نکاح بعولہ'' ہوتا جس میں ایک شخص کئی خواتین کا مالک بن جاتا، کبھی ''نکاح متعہ'' ہوتا کبھی ''زواج بدل'' جس میں بیویوں کا آپس میں تبادلہ ہوتا تھا، کبھی ''نکاح شغار'' ہوتا تو کبھی وٹہ سٹہ کا نکاح یعنی بغیر مہر کے عورت کے بدلے عورت دی جاتی تھی، کبھی بغیر خطبہ ونکاح کے دوستی کی شادی ہوتی کبھی ''نکاح البغایا'' ہوتا، فاحشہ عورتوں سے تعلق وغیرہ۔

الغرض مختلف طرح کے غیر اخلاقی طریقے مروج تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو تحفظ حقوق نسواں ہوگیا۔ آپ نے ایسے حقوق عطا فرمائے کہ آج بھی دنیا کی ترقی یافتہ قومیں کہلوانے والے لوگ اسکے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ آپ نے جو احسانات فرمائے ان میں سرفہرست زندہ درگور ہونے سے بچانا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان الله حرم علیکم عقوق الامهات ومنع وهات وواد''

بے شک اللہ نے تم پر ماؤں میں نافرمانی ان سے مطلوبہ چیزوں سے انکار اور بے جا مطالبہ اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام ٹھہرایا۔

(صحیح بخاری)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت عطا کی گئی ہے۔خوشبو،عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ جہاں لوگ سمجھتے تھے کہ زندہ جانور کے گوشت کو کھانے میں عورت کو شریک کرنا جرم ہے وہاں عورتوں کو قابل احترام بنادیا اور اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے:
"وَ قَالُوا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا-وَ اِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ"
اور کہتے ہیں:ان مویشیوں کے پیٹ میں جو ہے وہ خالص ہمارے مردوں کیلئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو پھر سب اس میں شریک ہیں۔ایسے حالات میں اس کی پرورش پر اجر عظیم کا مژدہ سنایا۔بیٹی اور بیٹیوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا اور خود بیٹیوں کی طرف رغبت بھی ظاہر فرمائی۔
حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اپنی اولاد میں تقسیم میں برابری رکھا کرو اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو عورتوں کو یعنی بیٹیوں کو بیٹوں پر فضیلت دیتا۔اس کے علاوہ عورت کو میراث میں بھی وارث بنادیا کہ وہ اپنے شوہر کے مال سے بھی اولاد ہو تو آٹھواں، نہ ہو تو چوتھا حصہ پائے گی اور اپنے بیٹے کی میراث سے چھٹا حصہ پائے گی نیز والد کی میراث سے اگر کئی بھائی بہن ہیں تو بھائی سے نصف پائے گی-تو کئی طرح سے اسے وارث بنایا گیا۔جہاں اسے اپنی ذات سے متعلق کوئی حق حاصل نہ تھا وہاں اسے حق رائے دہی عطا فرمایا۔جہاں اس پر انسانیت سوز سلوک ہورہا تھا وہاں اسے بھی اپنے دامن سے وابستہ ہونے کی سعادت بخشی۔اسے خود سے بیعت فرمایا۔ان کی رعایت کرتے ہوئے نماز میں قراءت کو کم کیا۔ان کی گفتگو سنا ان کے لیے وعظ کا وقت عطا فرمایا۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے وعظ کا ایک دن مقرر فرما دیا اس دن آپ ان سے ملاقات کرتے، انہیں نصیحت فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے ان کو احکام بتاتے۔

(بخاری کتاب العلم)

جہاں گھر میں اس کی نہیں سنی جاتی تھی وہاں انتظامی ذمہ داریوں پر تقرری فرمائی۔ جہاں اس کی شادی میں اس سے اجازت نہیں لی جاتی تھی وہاں رشتہ میں مشاورت کا حکم دیا۔ پسند ناپسند کا اختیار دیا۔اس کے لیے اسکی شایان شان مہر کا حکم دیا۔اگر شوہر اس پر ظلم کرتا ہے۔اس کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اسے خلع کا حق دیا۔اسے بیوہ یا مطلقہ ہونے کے بعد بھی دربدر ہونے نہیں دیا بلکہ عقد ثانی کی اجازت عطا فرمائی اور اس کی اولاد کو اس کے ساتھ حسن سلوک کا پابند بنایا۔

اپنے آخری خطبہ میں بھی اسکے حقوق ادا کرنے پر زور دیا۔
نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:
عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات (احکام) کے تحت وہ تمہارے لیے حلال ہوئیں۔
خطبہ میں عورتوں کے حقوق پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:
خبردار! تمہارے لیے عورتوں سے نیک سلوک کی وصیت ہے۔ کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں اور اس کے سوا تم کسی معاملے میں حق ملکیت نہیں رکھتے۔اس کے علاوہ مرد اور عورت کو برابر قانونی تشخص عطا فرمایا۔

اسکی گواہی کو بھی قبول کیا اور اس پر تہمت لگانے والوں کے لیے حد قذف مقرر فرمائی۔ ان کی تکریم کی خاطر گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت کا حکم ارشاد فرمایا۔ عورت چاہے جس روپ اور رشتہ میں بھی تھی اس کے لیے عزت کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ بیٹی ہے تو کھڑے ہوکر استقبال فرمایا اور اسے دوزخ کے سامنے آڑ فرمایا، اس کی پرورش پر بہترین اجر کی بشارت عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹیوں کو ناپسند نہ کرو۔

لا تكرهوا البنات فانهن المونسات الغاليات۔

تم بیٹیوں کو ناپسند نہ کیا کرو بے شک وہ والدین کی غمخوار اور لائق احترام ہوتی ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل)

بیٹیوں پر آپ کے احسانات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، ان کی اخلاقی تربیت کی، پھر ان کی شادی کی، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہا، تو اس کے لیے جنت ہے۔

(احمد بن حنبل مسند/9/ 97)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیٹی پر شفقت، بیٹی کے ساتھ حسن سلوک کی اعلی مثال ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے چال ڈھال شکل وشباہت، سلیقہ و عادت اور گفتگو کے انداز میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیتے، انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ کے دست اقدس کو پکڑ بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھا لیتیں۔

(ابوداؤد۔ السنن کتاب الادب۔ ماجاء فی القیام)

بیویوں کے بارے میں تاکید: زوجہ ہے تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کے متعلق فرمایا: تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہے۔ اس کے منہ میں لقمہ ڈالنے کو صدقہ قرار دیا۔ حضور اپنی ازواج کی دلجوئی فرماتے۔ کبھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے شانہ اقدس پر ٹھوڑی مبارک رکھ کر فوجی مشق کو دیکھا، کبھی حضور نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی، کبھی ازواج کے ساتھ گھر کے کاموں میں شریک ہوئے۔ کبھی ان سے رازدارانہ گفتگو کی، کبھی ان سے مشورے کرکے ان کی عزتوں میں اضافہ فرمایا، کبھی سفر کے جانے کے لیے قرعہ اندازی فرمائی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ جس کا نام نکل آتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

(صحیح بخاری، کتاب الھبہ وفضلھا)

ماں پر احسان مصطفیٰ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے پوچھا "من احق بحسن صحابتی"؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ حضور نے فرمایا: تیری ماں اس نے پھر پوچھا یارسول اللہ پھر کون؟ آپ نے فرمایا: امك، تمہاری ماں۔ اس نے یہی

بات تیسری مرتبہ دہرائی تو حضور نے تینوں مرتبہ ماں کا نام ہی لیا۔اس نے چوتھی مرتبہ پوچھا تو آپ نے فرمایا''ثم ابوك'' پھر تمہارا باپ۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب باب من احق بحسن صحابتی)

حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:''ان اللہ یوصیکم بامھاتکم'' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل)

غیر مسلم عورتوں پر احسان مصطفیٰ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت پائی گئی۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمادی۔

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر ،باب قتل النساء فی الحرب)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: مشرکین کی عورتوں اور خدمت گاروں کو مت قتل کرنا۔

لونڈیوں اور کنیزوں پر احسان مصطفیٰ:

مدینہ طیبہ کی بے سہارا عورتوں میں سے اگر کوئی لونڈی اپنے کسی کام کے سلسلہ میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہیں لے جانا چاہتی تو لے جاتی۔آپ اس پر شفقت فرماتے اور اس کے کام کاج میں اس کا سہارا بنتے۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب)

ان تمام حقائق و واقعات اور روایات سے ثابت ہوا کہ کل مخلوقات پر احسانات کی طرح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امت کی جملہ خواتین پر بھی اتنے احسانات ہیں کہ جن کا شمار نہیں اور آپ کا سحاب کرم ہر ایک پر اتنا برسا کہ اس نے اپنا ہی دامن تنگ پایا ہے۔

یہ بالکل حقیقت ہے کہ آج بھی اسلام کا دامن خواتین کے لیے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں بہت وسیع اور قابل تکریم ہے۔آج بھی مہذب دنیا عورتوں کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا صرف ذریعہ ہی سمجھتی ہے۔حقوق نسواں اور آزادی نسواں کے یہ لوگ کتنے ہی نعرے کیوں نہ لگالیں مگر ان کی ذہنیت اور ان کی نگاہوں میں عورتیں صرف اور صرف جنسی خواہشات کی تکمیل کا سامان ہیں۔آئے دن جگہ جگہ گلیمر اور فیشن ڈیزائننگ کے نام پر لباس سے عاری دوشیزاؤں کو فیشن شو کے اسٹیج پر پیش کر کے ان کی نمائش کرنا کیا یہی آزادی نسواں ہے؟ ہر چیز میں عورتوں کے اشتہار دینا کیا یہی حقوق نسواں کی ادائے گی ہے؟ ہوٹل ہو کہ آفس ہر جگہ کاؤنٹر و ریسیپشن پر دوشیزاؤں کو بیٹھانا کیا یہی عورتوں پر احسان و کرم ہے؟

ہرگز نہیں۔آزادی نسواں اور حقوق نسواں کے نام پر یہ صرف اور صرف عورتوں اور دوشیزاؤں کو دنیا کے سامنے ایک کھلونہ اور شوپیس بنا کر پیش کر رہے ہیں۔یہ اسے گھر کی ملکہ کے بجائے دردر کی بھکارن بنا رہے ہیں۔گھر میں راج کرنے کے بجائے وہ ان عورتوں اور دوشیزاؤں کو سماج کے بھیڑیوں کے سامنے لقمۂ تر بنا کر پیش کر رہے ہیں۔یہ اسلام ہی ہے کہ جس نے عورتوں کو باحجاب گھر میں رہنے کی تاکید کر کے انہیں ایک محفوظ پناہ گاہ عطا کی۔ بھیڑیوں کی نگاہوں سے انہیں محفوظ کیا اور انہیں ظالم سماج کا لقمۂ تر بننے سے بچایا۔

ریاست جموں وکشمیر اور آرٹیکل 370

از۔مولانا طارق انور مصباحی (کلکتہ)

جس قانون کے تحت کشمیر کا الحاق بھارت سے ہوا،اسی قانون کو دفعہ 370 کہا جاتا ہے۔بھارت سے کشمیر کا الحاق صرف دفاع،امور خارجہ اور مواصلات تک محدود تھا۔اس کا پس منظر مندرجہ ذیل ہے:

برصغیر کی تقسیم کے وقت تمام ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ انڈیا یا پاکستان میں سے کسی ملک کے ساتھ الحاق کر سکتے ہیں،یا پھر آزاد رہنا چاہیں تو آزاد رہ سکتے ہیں۔زیادہ تر ریاستوں کے مہاراجاؤں نے اپنی آبادی کی خواہش کی بنا پر انڈیا یا پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا،مگر کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی مسلمان اکثریتی ریاست کے آزاد رہنے کو ترجیح دی۔

مقامی آبادی کی جانب سے بغاوت اور پاکستان کے مسلح قبائلیوں کی جانب سے دراندازی ہونے پر مہاراجہ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے عسکری امداد کی اپیل کی جو کہ انھوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ جب تک ریاست انڈیا سے الحاق کا فیصلہ نہیں کرتی،تب تک وہ کچھ نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ اب متحدہ بھارت کے وائسرائے نہیں، بلکہ انڈیا کے گورنر جنرل ہیں۔

مہاراجہ نے 26:اکتوبر 1947 کو اپنی ریاست کے انڈیا سے الحاق کی تحریری درخواست پیش کی جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اگلے دن اس شرط کے ساتھ قبول کر لی کہ دراندازوں سے ریاست خالی ہونے پر ریاست کے مقدر کا فیصلہ عوام کی خواہش کے مطابق کیا جائے گا۔اس کے بعد جب انڈیا کی فوج کشمیر میں داخل ہوئی تو پاکستان کی فوج نے بھی کشمیر کے حصول کے لیے اپنی فوج یہاں داخل کر دی جس کے بعد دونوں ممالک کے درمیان باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا جو کہ 1949 تک جاری رہی۔

1949 میں جنگ بندی کے بعد پاکستان اور انڈیا دونوں کے پاس کشمیر کے بالترتیب ایک تہائی اور دو تہائی حصے کا کنٹرول رہا اور سیز فائر لائن قائم ہوئی جسے بعد میں لائن آف کنٹرول قرار دیا گیا۔اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی جانب سے 21:اپریل 1948 کو ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں اس مسئلے کے حل کے لیے تین مرحلہ وار نکات تجویز کیے گئے۔

(1) پاکستان کشمیر سے اپنے تمام شہری واپس بلوائے۔

(2) انڈیا کشمیر میں صرف اتنی فوج رکھے جو کہ امن و امان کے قیام کے لیے ضروری ہو۔

(3) انڈیا اقوامِ متحدہ کا نامزد کردہ رائے شماری کمشنر تعینات کرے جو ریاست میں غیر جانبدار رائے شماری کروائے۔

اقوامِ متحدہ کے اس پانچ رکنی کمیشن نے 1949 میں استصوابِ رائے کی شرط رکھ کر انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے کیا تھا۔کمیشن میں کولمبیا،چیکوسلواکیا،برما،آرجنٹینا

اور بیلجیئم کے سفیر شامل تھے۔دونوں ہی ممالک کو اس پر اعتراضات تھے جن کی وجہ سے اقوامِ متحدہ کا ایک نیا کمیشن قائم ہوا۔دونوں ممالک نے اس کمیشن کی قرارداد منظور کی،مگر یہ کمیشن بھی معاملے کو کسی نتیجے پر نہ پہنچا سکا اوراس طرح یہ مسئلہ جوں کا توں رہا۔

آرٹیکل 370 اور مختلف ریاستوں کو خصوصی رعایت:

آرٹیکل 370 کے ذریعہ کشمیر کو خصوصی رعایت دی گئی،لیکن یہ صرف کشمیر کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ متعدد ریاستوں کو خصوصی رعایت دی گئی ہے۔ناگالینڈ اور میزورام کی خاص رعایتوں کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

ناگالینڈ:

سال 1960 میں ناگالینڈ کی ناگا قوم نے ملک سے علیحدگی اختیار کرنے کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔حکومت ہند نے فوجی طاقت استعمال کی،لیکن یہ فتنہ ختم نہ ہوسکا۔آخر کار ناگا قوم سے مصالحت کے لیے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

ناگاؤں نے مصالحت کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ ان کے مذہبی امور،سماجی طورطریقوں اور رواجی قانون کے مطابق عدالتی نظام قائم کرنے کی مضبوط ضمانت دی جائے،تب وہ ہتھیار ڈالیں گے۔

مرکزی حکومت نے ناگا قوم کے شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے سال 1962 میں دستور ہند میں ترمیم کی اور ناگاؤں سے معاہدہ کے مطابق دستور ہند کے اکیسویں حصہ (part XXI) میں آرٹیکل 371/A کا اضافہ کیا اور دستور میں لکھا گیا۔

(1) ناگاؤں کے مذہبی اور سماجی رسوم (2) ناگا رواجی قانون اور ضابطے (3) ناگا رواجی قانون کے مطابق سول اور فوجداری مقدمات کے فیصلوں کا نظام قائم ہوگا۔پارلیمنٹ کے کسی قانون کا اطلاق ناگالینڈ کی ریاست پر نہیں ہوگا۔

آرٹیکل 371/A درج ذیل ہے:

371A.(1)Notwithstanding anything in this constitution, (a)no act of parliament in respect of-(i)religious or social practices of the Nagas,(ii)Naga customary law and procedure, (iii)administration of civil and criminal justice involving decisions according to Naga customary law,(iv)ownership and transfer of land and its resources, shall apply to the state of Nagalang unless the legislative assembly of Nagaland by a resolution so decides.(The Constitution of India p.251)

ملک کی علاقائی سلیت کو برقرار رکھنے کے لیے مرکزی حکومت نے ناگاؤں کا مطالبہ تسلیم کرلیا اور یکساں قانون فوجداری مقدمات میں بھی نافذ نہ ہوسکا، بلکہ مذہبی وسماجی رسوم اور تہذیبی وثقافتی امور کو قانونی شکل دینا پڑی۔

میزورم:

ناگالینڈ کے بعد میزورم والوں نے بھارت کے خلاف ہتھیار اٹھالیئے۔ یہ تصادم سالوں تک جاری رہا۔حکومت نے میزوؤں کی بغاوت کوفوجی قوت سے کچلنے کی کوشش کی ،لیکن کامیابی نہ ملی ۔کئی بار کی ناکامیوں کے بعد میزوؤں سے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔

میزوقوم نے ہتھیار ڈالنے، مسلح بغاوت ختم کرنے ، بھارت کا حصہ بننے اور بھارتی قومیت اختیار کرنے کے لیے چند شرائط پیش کیں ۔پہلی شرط یہ تھی کہ میزوقوم کی علیحدہ شناخت کوتسلیم کیا جائے اوراس کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ان کے مذہبی ، سماجی اور رواجی قوانین کوتسلیم کیا جائے اوران مذہبی،رواجی وسماجی رسوم وقوانین کے مطابق عدالتی فیصلے ہوں۔کئی دور میں بات چیت کے بعدحکومت ہند نے اس شرط کوقبول کرلیااور میزوقوم سے معاہدہ کے مطابق30:جون 1986 کو دستور ہند کے اکیسویں حصہ (part XXI)میں آرٹیکل 371/G کا اضافہ کیا گیا۔اس کے ذریعہ میزو قوم کو یہ ضمانت دی گئی کہ میزوؤں کے مذہبی وسماجی رسوم اور رواجی قوانین وضوابط کے مطابق ان کے فیصلے ہوں گے۔ پارلیمنٹ کے کسی قانون کا اطلاق میزورم کی ریاست پرنہیں ہوگا۔آرٹیکل 371/G مندرجہ ذیل ہے۔

371G.(1)Notwithstanding anything in this constitution,(a)no act of parliament in respect of-(i)religious or social practices of the Mizos,(ii)Mizo customary law and procedure,

(iii)administration of civil and criminal justice involving decisions according to Mizo customary law,(iv)ownership and transfer of land and its resources, shall apply to the state of Mizoram unless the legislative assembly of Mizoram by a resolution so decides.(The Constitution of India p.265)

جب ملکی دستور میں مختلف ریاستوں کوخصوصی حقوق دیئے گئے ہیں تو کشمیر کی خصوصی حیثیت بھی دستور کے موافق ہی تھی۔

ریاست جموں وکشمیر:

بھارت کی مختلف ریاستوں کوخاص مراعات حاصل ہیں،جن کا ذکرآرٹیکل 370اور 371 میں ہے۔دستور وآئین دستوری اصطلاحات کے ساتھ مرقوم ہوتا ہے ،اس لیے ان عبارتوں کے مفاہیم کوسمجھنا کچھ مشکل ہوتا ہے۔ چوں کہ یہاں آرٹیکل 370 موضوع بحث ہے،اس لیے وہ عبارت اوراس کا ترجمہ ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

370-(1)Notwithstanding anything in this Constitution,

(a) the provisions of article 238 shall not apply in relation to the state of

acting on the advice of the Council of Ministers for the time being in office under the Maharaja,s proclamation dated the fifth day of March 1948.

(c) the provisions of article 1 and of this article shall apply in relation to that State,

(d) such of the other provisions of this Constitution shall apply in relation to that State subject to such exceptions and modifications as the president may by order specify.

Provided that no such order which relates to the matters specified in the Instrument of Accession of the State referred to in paragraph (i) of sub-clause (b) shall be issued except in consultation with the Government of the State.

(2) If the concurrence of the Government of the State reffered to in paragraph (ii)of sub-clause (b)of clause (1) or in the second proviso to Jammu and Kashmir

(b) the power of Parliament to make laws for the said State shall be limitited to_

(i) those matters in the Union List and the Concurrent List which, in consulation with the Government of State, are declared by the president to correspond to matters specified in the Instrument of Accession governing the accession of the State to the Dominion of India as the matters with respect to which the Dominion Legislature may make laws for that State, and

(ii)Such other matters in the said Lists as,with the concurrence of Government of the State,the president may by order specify,

Explanation: For the purposes of this article,the Government of the State means the person for the time being recognised by the president as the maharaja of Jammu and Kashmir

sub-clause (d) of that clause be given before the Constituent Assembly for purpose of framing the Constitution of the State is convented,it shall be placed before such Assembly for such decision as it may take thereon.

(3) Notwithstanding anything in the foregoing provisions of this article, the President may, by public notification, declared that this article shall cease to be operative or shall be operetive only with such exceptions and modifications and from such date as he may specify.

Provided that the recommendation of the Constituent Assembly of the State referred to in clause (2)shall be necessary before the president issues such a notification.

(constitution of India Part XXI page 243, 244)

ترجمہ:

370-(1)اس آئین میں کسی امر کے باوجود۔

(الف)دفعہ:238 کی توضیعات کا اطلاق ریاست جموں و کشمیر کے تعلق سے نہ ہوگا۔

(ب)مذکورہ ریاست کے لیے قانون بنانے کے بارے میں پارلیمنٹ کا اختیار حسب ذیل امور تک محدود ہوگا:

(!)یونین فہرست اور متوازی فہرست میں مندرجہ ایسے امور جن کی بابت صدر، ریاست کی حکومت کے مشورے سے قرار دے، کہ وہ ریاست کی بھارت کی ڈومینین میں شرکت کو منضبط کرنے والی دستاویز شرکت میں صراحت کیے ہوئے ان امور کے مماثل ہیں، جن کے بارے میں ڈومینین کی مجلس قانون ساز اس ریاست کے لیے قانون بنا سکے گی، اور

(!!)مذکورہ فہرستوں میں ایسے دوسرے امور جن کی صراحت صدر، ریاستی حکومت کے اتفاق رائے سے حکم کے ذریعہ کرے۔

تشریح: اس دفعہ کی اغراض کے لیے ریاست کی حکومت سے وہ شخص مراد ہے جس کو صدر مہاراجہ کے اعلان نامہ مورخہ 5: مارچ 1948 کے تحت فی الوقت برسر کار وزرا کی کونسل کی صلاح پر عمل کرنے والا مہاراجہ جموں و کشمیر تسلیم کر لیا گیا ہو۔

(ج)دفعہ: 1 اور اس دفعہ کی توضیعات کا اطلاق ریاست کے تعلق سے ہوگا۔

(د)اس آئین کی ایسی دوسری توضیعات کا اطلاق ریاست کے تعلق سے ایسی مستثنیات اور تبدیلیوں کے تابع ہوگا جن کی صدر حکم کے ذریعے صراحت کرے۔

بشرطے کہ کوئی ایسا حکم جو ذیلی فقرہ (ب) کے پیرا (ا) میں محولہ ریاست کی دستاویز شرکت میں مصرحہ امور کے متعلق ہو۔اس ریاست کی حکومت سے مشورہ کیے بغیر اجرا نہ ہوگا۔

مزید شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا حکم جو ماقبل شرطیہ پیرا میں مذکورہ امور کے سوا کسی اور امر کے متعلق ہو، بغیر اس حکومت کے اتفاق رائے کے اجرا نہ ہوگا۔

(2) اگر فقرہ (1) کے ذیلی فقرہ (ب) کے پیرا (II) یا اس فقرہ کے ذیلی فقرہ (د) کے دوسرے شرطیہ فقرہ میں محولہ اتفاق رائے اس ریاست کے لیے آئین بنانے کی غرض سے آئین ساز اسمبلی کے انعقاد کے قبل کیا جائے تو وہ اسمبلی میں ایسے فیصلہ کے لیے جو اس پر وہ کرنا چاہے، پیش کیا جائے گا۔

(3) اس فقرہ کی متذکرہ بالا توضیعات میں کسی امر کے باوجود،

صدر، عام اطلاع نامہ کے ذریعہ قرار دے سکے گا کہ وہ دفعہ نافذ العمل نہیں رہے گی، یا صرف ایسی مستثنیات یا ترمیمات کے ساتھ اور اس تاریخ سے نافذ العمل رہے گی، جن کی وہ صراحت کرے۔

بشرطے کہ صدر کی طرف سے ایسا اطلاع نامہ اجرا کرنے سے قبل فقرہ (2) میں مذکورہ ریاست کی آئین ساز اسمبلی کی سفارش ضروری ہوگی۔

دفعہ 35A:

دفعہ 35A: کا تعلق بھارت کی آزادی سے نہیں ہے۔ یہ قانون کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے 1927 سے 1932 کے درمیان بنایا تھا۔ اسی قانون کو 1954 میں ایک صدارتی حکم نامہ کے ذریعہ دستور ہند میں شامل کرلیا گیا۔

اس قانون کے اعتبار سے ریاست جموں و کشمیر کے باہر کا کوئی بھی شہری ریاست جموں و کشمیر میں غیر منقولہ جائیداد کا مالک نہیں ہوسکتا۔ یہاں سرکاری ملازمت حاصل نہیں کرسکتا۔ نہ ہی یہاں آزادانہ طور پر سرمایہ کاری کرسکتا ہے۔

کشمیر کی تاریخ

چودھویں صدی عیسوی کے ربع اول میں کشمیر کے ایک راجہ نے، جس کا نام رینچن یا رام چندر بتایا جاتا ہے، ایک عرب مسافر سید بلبل شاہ کی تبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ اپنا اسلامی نام صدر الدین رکھا اور سری نگر میں جامع مسجد تعمیر کی۔ اس طرح کشمیر کے اسلامی دور کا آغاز ہوا۔

پندرہویں صدی کے ربع اول میں کشمیر کو سلطان زین العابدین جیسا نیک دل، رعایا پرور اور علم دوست بادشاہ نصیب ہوا جس نے عدل، تدبر، رحم دلی اور اسلامی اخوت و مساوات کے جذبہ سے ریاست میں اسلام کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ جامع مسجد کے ساتھ دار العلوم کی بنیاد رکھی اور علما کی سرپرستی کی۔ اہل کشمیر اسے ''بڈ شاہ'' (بڑا بادشاہ) کہتے ہیں اور اس کے عدل و انصاف اور رعایا پروری کے دوست دشمن سبھی معترف ہیں۔ سلطان زین العابدین کا دور کشمیر کی اسلامی تاریخ کا زریں ترین دور شمار ہوتا ہے۔

سال 1585 میں مغل فرمانروا جلال الدین اکبر نے کشمیر کو فتح کیا اور اس طرح کشمیر شاہ میری خاندان کے ہاتھوں سے نکل کر مغل خاندان کے تسلط میں آ گیا۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے وصال کے بعد جب سلطنت مغلیہ زوال پذیر ہوئی۔ مغل شاہزادوں کے آپسی اختلاف کے سبب طوائف الملو کی کا دور دورہ شروع ہوا اور ریاستیں خودمختار ہونے لگیں تو کشمیر پر افغانوں کا تسلط قائم ہوگیا اور اس طرح 1753 میں کشمیر میں مغل اقتدار کا خاتمہ

ہو گیا۔

سال 1819 میں رنجیت سنگھ مہاراجہ پنجاب کے ایک لشکر نے مصرو دیوان چند کی قیادت میں راجوری کے راستہ کشمیر پر حملہ کیا اور کشمیر کے حاکم جبار خان کو شکست دے کر سکھ اقتدار کا علم بلند کر دیا۔ یہیں سے کشمیری عوام کی بدنصیبی اور مظلومیت کا آغاز ہوتا ہے۔ رنجیت سنگھ نے کشمیر کے ڈوگرہ خاندان کو آلۂ کار بنایا، اس خاندان کے دو افراد گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ رنجیت سنگھ کے درباری ملازم تھے، انہیں رنجیت سنگھ نے اہل کشمیر پر مسلط کر دیا۔ ڈوگروں اور سکھوں نے مل کر اہل کشمیر پر بے پناہ مظالم ڈھائے، ان کی صنعت کو تباہ کیا۔ اس دور میں شال بافی کی صنعت ترقی پذیر تھی، سکھا شاہی نے ۶۲ ر فیصد ٹیکس عائد کر کے اسے مفلوج کر دیا۔ شیر سنگھ کے دور میں قحط بھی پڑا۔ ان مظالم اور قحط سے تنگ آکر بہت سے کشمیری خاندان پنجاب کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ آج پنجاب کے مختلف علاقوں میں یہ کشمیری خاندان آباد ہیں۔

رنجیت سنگھ اور شیر سنگھ کے بعد سکھ اقتدار زوال پذیر ہوا تو فرنگیوں نے پنجاب پر براہ راست تسلط قائم کرنے کی خاطر سکھوں کو درمیان سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ سکھوں نے مزاحمت کی لیکن بالآخر 1846 میں پنجاب فرنگی حکومت کے زیر نگین آ گیا۔ سکھوں اور انگریزوں کی اس جنگ میں کشمیر کے گلاب سنگھ نے انگریزوں کی مدد کی تھی، اس لیے انگریزی حکومت نے 16 مارچ 1846 کو ''معاہدۂ امرتسر'' کے ذریعہ 75 :لاکھ روپے نقد کے علاوہ ایک گھوڑے، 12 بکریوں اور چھ جوڑے شال پر مشتمل سالانہ خراج کے عوض ریاست جموں وکشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ بیچ دیا۔

اس طرح کشمیری مسلمانوں پر ڈوگرہ حکومت کے ظلم وستم کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

ڈوگروں نے مسلمانوں کو ستانے اور ان پر ظلم ڈھانے میں پچھلے ریکارڈ بھی توڑ دیے۔ شال بافی پر 26 فیصد ٹیکس کو دوگنا کر کے 52 فیصد کر دیا۔ مساجد مسمار ہونے لگیں۔ سکھ حکومت کے عہد میں گاؤکشی پر پابندی عائد تھی۔ ایک گائے کے ذبیحہ پر پورے کا پورا خاندان شہید کر دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی سکھ کسی مسلمان کو قتل کر دیتا تو اس کی سزا صرف 14: روپے جرمانہ عائد ہوتا تھا۔ جن میں سے 2: روپے مقتول کے خاندان کو ملتے اور 12: روپے سرکاری خزانہ میں داخل کر دیے جاتے۔

ڈوگروں نے ان مظالم میں حد درجہ اضافہ کر دیا۔ ڈوگرہ مظالم اور جبر وتشدد کا یہ دور کشمیر کی تاریخ کا تاریک ترین اور اندوہناک باب ہے۔ بیشتر مسلمان ان مظالم کی تاب نہ لاتے ہوئے ہجرت کرتے رہے۔ وقتاً فوقتاً مزاحمت کی تحریکیں اٹھتی رہیں، لیکن ڈوگرہ شاہی کو چوں کہ حکومت برطانیہ کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی، اس لیے ڈوگرہ مظالم میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

1931 میں ڈوگرہ ظلم وستم کے باعث ایک مسلمان کی شہادت کے بعد مدتوں سے سینوں میں پکنے والا لاوا پھٹ پڑا۔ پوری ریاست میں احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔ اہل کشمیر کی اس مظلومیت کو دیکھتے ہوئے انڈیا کی سیاسی جماعتوں نے بھی اس طرف توجہ دی۔ برطانوی حکومت کو یہ خطرہ تھا کہ کشمیر کی سرحد روس کے ساتھ ملتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روس کشمیر کے راستہ سے اپنے اثرات انڈیا تک وسیع کر لے۔ اس خطرہ کے پیش نظر انگریزی حکومت نے

سوچا کہ کشمیر میں کسی ایسی جماعت کو تقویت دی جائے جو وہاں انگریزی مفادات کا تحفظ اور بیرونی سرگرمیوں سے برطانوی حکومت کو باخبر کرسکے۔

قادیانی جماعت کا خلیفہ اول حکیم نوردین اس سے قبل جموں و کشمیر کے درباروں میں طبیب کی حیثیت سے انگریزوں کے لیے مخبری کر چکا تھا۔ اس کے بعد اس مقصد کے لیے انگریزوں نے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین کو مہرہ بنایا۔اس نے پنجاب کے سرکردہ مسلمانوں کو دھوکے سے ساتھ ملایا اور ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی'' کی بنیاد شملہ میں رکھ دی جس کا صدر خود مرزا بشیر الدین اور سیکرٹری عبدالرحیم درد قادیانی تھا۔صدر دفتر قادیان میں طے کیا گیا۔اس کمیٹی کے علاوہ دوسرے سرکردہ مسلمانوں میں ڈاکٹر محمد اقبال بھی تھے ،لیکن ڈاکٹر اقبال پر قادیانی سازش کی حقیقت آشکارا ہوگئی اور دوسرے مسلم شرکا بھی اس چال کو سمجھ گئے تو انہوں نے مرزا بشیر الدین کی قیادت میں کام کرنے سے انکار کردیا۔

انجام کار مرزا بشیر الدین کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہونا پڑا۔کمیٹی نے ڈاکٹر محمد اقبال کو صدر اور ملک برکت علی کو جنرل سیکرٹری چنا،لیکن چند دنوں کے بعد خود ڈاکٹر اقبال نے کمیٹی کو توڑنے کا اعلان کردیا اور اس طرح کشمیر کو قادیانی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کی یہ سازش ناکام ہوگئی۔1947 میں بھارت کی آزادی اور بھارت سے کشمیر کے الحاق کے بعد کشمیر کی ایک نئی تاریخ کا آغاز ہوا۔آزادی ہند کے بعد کشمیر کے حالات کا مختصر خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

آزادی ہند کے بعد کشمیر کے حالات

14-15 اگست 1947: برطانیہ سے آزادی کے بعد دو خود مختار ریاستیں پاکستان اور بھارت میں وجود میں آئیں، ریاستوں اور راجاؤں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے عوام کی منشا کے مطابق کسی بھی ملک میں شامل ہونے کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی،مگر اس کے ہندو راجہ نے وقت پر کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

اکتوبر 1947: کشمیر میں جاری داخلی خانہ جنگی میں پاکستان سے قبائلی لشکر بھی شامل ہوگئے۔

26:اکتوبر 1947: مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت سے مدد چاہتے ہوئے کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیئے،تاہم یہ الحاق مشروط تھا کہ جیسے ہی حالات معمول پر آئیں گے کشمیر میں رائے شماری ہوگی۔

27:اکتوبر 1947: بھارت نے اپنی فوجیں ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر میں اتار دیں،تا کہ کشمیر میں ہونے والی بغاوت کو کچلا جاسکے جس کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کے درمیان پہلی جنگ چھڑ گئی۔

یکم جنوری 1948: بھارت نے مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ سے مدد مانگ لی۔

5:فروری 1948: اقوام متحدہ نے ایک قرارداد کے ذریعے فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا،تا کہ وہاں رائے شماری کرائی جاسکے۔

یکم جنوری 1949: اقوامِ متحدہ نے جنگ بندی کراتے ہوئے دونوں ممالک کی فوجوں کو جنگ بندی لائن کا احترام کرنے کا پابند کیا اور وہاں رائے شماری کرانے کا اعلان کیا۔

26:جنوری 1950: بھارتی آئین میں آرٹیکل 370 کا اضافہ ہوا جس میں ریاست جموں و کشمیر کو دفاع،خارجہ اور مواصلات

کے علاوہ خودمختار حیثیت دی گئی۔

اکتوبر 1950: شیخ عبداللہ کی جماعت نیشنل کانفرنس نے جموں وکشمیر میں انتخابات کا مطالبہ کیا، تاکہ ریاستی اسمبلی کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرے۔

30 مارچ 1951: اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے کشمیر میں انتخابی عمل کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہ اسمبلی رائے شماری کا متبادل نہیں ہے اور نہ ہی کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرسکتی ہے، ساتھ ہی ایک نمائندہ مقرر کرنے اور کشمیر کو غیر فوجی علاقہ قرار دینے کا اعلان کیا، مگر اس پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔

ستمبر 1951: کشمیر کی اسمبلی کے انتخابات میں نیشنل کانفرنس نے تمام 75 نشستیں بلا مقابلہ حاصل کرلیں۔

31 اکتوبر 1951: شیخ عبداللہ نے ریاستی اسمبلی میں اپنی پہلی تقریر میں ریاست کے بھارت کے ساتھ الحاق کے حق میں دلائل دیئے۔

جولائی 1952: شیخ عبدااللہ نے دہلی معاہدے پر دستخط کر دیئے جس کے تحت انڈیا کے زیر انتظام ریاست کو داخلی خودمختاری دی جائے گی۔

جولائی 1953: شیاما پرشاد مکھرجی نے 1952 سے کشمیر کے بھارت سے مکمل الحاق کے بارے میں جو تحریک شروع کررکھی تھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ عبداللہ نے کشمیر کی خودمختاری کی تجویز دے دی۔

8 اگست 1953: شیخ عبدالاللہ کو بطور وزیر اعظم فارغ کرتے ہوئے گرفتار کر کے بھارت میں قید کر دیا گیا اور ان کی جگہ بخشی غلام محمد کو وزیر اعظم بنا کر مظاہرین کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کا ٹاسک سونپا گیا۔

17-20 اگست 1953: بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے درمیان دہلی میں ملاقات ہوئی جس میں اپریل 1954 کے آخر تک وہ کشمیر میں رائے شماری کے لیے ایڈمنسٹریٹر تعینات کرنے پر متفق ہوگئے۔ تاہم جیسے ہی پاکستان اور امریکہ کے درمیان سٹریٹجک تعلقات گہرے ہوئے تو بھارت نے اس مسئلے کو بھی سرد جنگ کا حصہ قرار دیتے ہوئے رائے شماری سے انکار کردیا۔

فروری 1954: کشمیر کی اسمبلی نے بھارت کے ساتھ الحاق کردیا۔

14 مئی 1954: آئینی حکم نامہ 1954 جس کا تعلق ریاست جموں وکشمیر سے تھا، اسے لاگو کر دیا گیا جو دہلی معاہدے کو منسوخ کرتے ہوئے ریاست کو بھارتی عمل داری میں دیتے ہوئے تمام شہری آزادیوں کو ختم کرتا تھا۔

14 جنوری 1957: اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک بار پھر 1951 کی قرارداد کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ ریاستی اسمبلی کسی طور بھی کشمیر کے مستقبل کے بارے میں فیصلے کا اختیار نہیں رکھتی، اور نہ ہی یہ رائے شماری کا متبادل ہے۔

26 جنوری 1957: ریاستی اسمبلی نے جموں وکشمیر کا آئین نافذ کیا جس کے تحت ریاست جموں وکشمیر کو بھارتی یونین کا حصہ قرار دیا گیا تھا۔

9 اگست 1955: رائے شماری محاذ قائم کیا گیا جس نے شیخ عبداللہ کی رہائی اور اقوامِ متحدہ کی زیر نگرانی کشمیر میں رائے شماری کا مطالبہ کیا۔

20 اکتوبر تا 20 نومبر 1962: لداخ میں بھارت اور چین

کے مابین ایک سرحدی تنازعے نے جنگ کی شکل اختیار کر لی جس کے نتیجے میں لداخ کے ایک بڑے علاقے پر چین قابض ہو گیا۔

مارچ 1965: بھارتی پارلیمنٹ نے ایک بل پاس کیا جس کے تحت کشمیر کو بھارت کو صوبہ قرار دیتے ہوئے بھارت کو وہاں گورنر تعینات کرنے، کشمیر میں حکومت کو برطرف کرنے اور اسے آئین سازی سے روکنے کے اختیار حاصل ہو گئے۔

23 اگست تا ستمبر 1965: پاکستان اور بھارت کے درمیان دوسری جنگ چھڑ گئی جس نے 1949 کے فائر بندی معاہدے کو ختم کر دیا۔

10: جنوری 1966: بھارت اور پاکستان کے مابین تاشقند معاہدے پر دستخط ہو گئے جس کے تحت دونوں ممالک اپنی اپنی افواج کو جنگ سے پہلے والی پوزیشنوں پر لانے میں متفق ہو گئے۔

3-16: دسمبر 1971: پاکستان اور بھارت میں جنگ کے نتیجے میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔

فروری 1972: محاذ برائے رائے شماری پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ ریاستی اسمبلی کے انتخابات نہیں لڑ سکتا۔

2: جولائی 1972: پاکستان اور بھارت کے درمیان شملہ معاہدہ ہوا جس میں اقوامِ متحدہ کی فائر بندی لائن کو لائن آف کنٹرول قرار دیا گیا مزید یہ کہ اس معاہدے کی رو سے فریقین اس مسئلے کو دو طرفہ مذاکرات سے حل کریں گے۔

13: نومبر 1974: شیخ عبداللہ کو رہا کر کے اسے بطور وزیر اعلیٰ بحال کر دیا گیا، جب کہ اس کے نائب وزیر اعلیٰ نے بھارت کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کر دیے جس کے تحت ریاست جموں و کشمیر بھارت کا آئینی حصہ ہو گا۔ اس طرح وہ 1953 میں اپنے خود مختاری کے دعوے سے پھر گئے۔

23: مئی 1977: شیخ عبداللہ نے دھمکی دی کہ بھارت کے ساتھ الحاق اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بھارت آرٹیکل 370 کے تحت کشمیر کو داخلی خود مختاری نہیں دیتا۔

8: ستمبر 1982: شیخ عبداللہ انتقال کر گئے جس کے بعد ان کے بیٹے فاروق عبداللہ نے قیادت سنبھال لی۔

اپریل 1984: بھارت نے سیاچین گلیشئر پر قبضہ کر لیا۔

جون 1984: بھارت کے مقرر کردہ گورنر اور ہندو قوم پرست رہنما جگموہن نے فاروق عبداللہ کو معطل کر کے نیشنل کانفرنس کے غلام محمد شاہ کو وزیر اعلیٰ نامزد کر دیا جس سے کشمیر میں مظاہرے پھوٹ پڑے۔ موجودہ وزیر اعلیٰ غلام محمد شاہ نے کشمیر میں کرفیو نافذ کر دیا۔

7: مارچ 1986: جگموہن نے غلام محمد شاہ کو وزارتِ اعلیٰ سے برخاست کرتے ہوئے خود اختیارات سنبھال لیے اور مسلمانوں کی سرکاری نوکریوں پر پابندی لگا دی۔

23: مارچ 1987: مسلم یونائیٹڈ فرنٹ جو کہ ایک مقبول جماعت تھی، اس نے انتخابات میں حصہ لیا، مگر کانگریس اور مسلم کانفرنس کا اتحاد جیت گیا جس پر دھاندلی کے الزامات لگے اور فاروق عبداللہ کی غیر مقبول حکومت کے خلاف مظاہرے پھوٹ پڑے۔

1989: بھارتی حکمرانی کے خلاف مسلح تحریک شروع ہو گئی جس کی قیادت مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کے ممبران کر رہے تھے۔ سال کے ایک تہائی حصے میں ہڑتال اور احتجاج ہوتے رہے۔ ریاستی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا گیا اور ٹرن آؤٹ صرف پانچ فیصد رہا۔

یکم مارچ 1990: سری نگر میں اقوام متحدہ کے ملٹری آبزرور گروپ کے دفتر کے سامنے پانچ لاکھ سے زائد کشمیریوں نے مارچ کیا جنہوں نے کشمیر میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری کا مطالبہ کیا۔جس پر بھارتی فوج نے مظاہرین پر دو مقامات پر فائرنگ کر دی۔ ذکورا کراسنگ میں 26: اور ٹنگ پورہ بائی پاس پر 21: شہری مارے گئے۔جس پر کشمیر میں 162،500 ہندو کمیونٹی کو نکال کر جموں میں پناہ گزین کیمپوں میں منتقل کیا گیا۔

6: جنوری 1993: بھارتی بارڈر سیکورٹی پولیس نے عسکریت پسندوں کے ایک حملے کا بدلہ لینے کے لیے سوپور میں 55: شہریوں کو ہلاک کر دیا۔

مارچ 1993: سیاسی، سماجی اور مذہبی گروپوں پر مشتمل آل پارٹیز حریت کانفرنس نے حق خود اختیاری کا مطالبہ کیا۔

21: فروری 1999: بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اور پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف نے اعلان لاہور پر دستخط کئے جس کے تحت کشمیر سمیت تمام تصفیہ طلب مسائل کو باہمی مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کا اعادہ کیا گیا۔

مئی–جولائی 1999: پاکستان و بھارت کے درمیان کارگل جنگ چھڑ گئی۔

2000: ایک دہائی سے جاری کشمیر میں عسکری تحریک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی جس میں پر امن اور غیر متشدد طریقے اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان سفارتی تعلقات بحال ہو گئے۔ کشمیر کے مسئلے پر بھی اعتماد کی بحالی کے لیے اقدامات کئے گئے، اگر چہ ان میں تعطل آتا رہا اور دونوں ممالک کشمیر میں کسی تصفیہ پر متفق نہیں ہو سکے۔

11 :مارچ 2001: اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے دونوں ممالک کو اعلانِ لاہور کے تحت آگے بڑھنے کا مشورہ دیا جس پر جولائی 2001 میں مشرف اور واجپائی کے درمیان آگرہ میں ملاقات ہوئی، مگر کوئی اعلان جاری نہ ہوسکا۔

2004-2007: مسئلہ کشمیر پر بیک چینل روابط کے ذریعے دونوں ممالک نے کشمیری قیادت کے ساتھ مذاکرات کیے۔

اپریل 2005: مظفر آباد سری نگر بس سروس شروع ہوئی۔

21 فروری 2009: بومائی میں بھارتی فوج نے دو عبادت گزاروں کو جان بوجھ کر گولی ماردی جس پر بومائی اور ملحقہ علاقوں میں مظاہرے شروع ہو گئے جس پر کرفیو لگانا پڑا۔

29-30 مئی 2009: دو خواتین 22: سالہ نیلوفر جان اور 17: سالہ عائشہ جان کو شوپیاں میں اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔

جون 2009: کشمیر بھر میں مظاہرے شروع ہو گئے اور سینٹرل پولیس، ریزرو فورس کو زیادتی اور قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا جس پر شوپیاں میں کرفیو لگا دیا گیا۔

30: اپریل 2010: ماشیل سیکٹر میں بھارتی فوج نے تین کشمیریوں کو عسکریت پسند قرار دے کر لائن آف کنٹرول کراس کرنے کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔مرنے والے تینوں عام کشمیری تھے، اور انہیں صرف اس لیے مارا گیا کہ ان کے قتل کے عوض وہ کیش انعام حاصل کر سکیں۔

11: جون 2010: 17 سالہ طفیل احمد مٹو جو اسکول سے گھر آرہا تھا اس وقت ہلاک ہو گیا جب آنسو گیس کا ایک شیل اس کے

قریب آ کر سر پر مارا گیا۔اس کے نتیجے میں بھی مظاہرے پھوٹ پڑے جس سے نمٹنے کے لئے کرفیو لگا کر سینکڑوں کشمیریوں کو ہلاک کر دیا گیا۔

اگست 2011: وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے ان 1200 نوجوانوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا جو کہ گزشتہ سال حکومت کے خلاف مظاہروں میں سیکورٹی فورسز پر پتھر پھینکنے میں ملوث تھے۔بھارت کے ریاستی ہیومن رائٹس کمیشن نے لائن آف کنٹرول کے قریب ایسی اجتماعی قبروں کی نشاندہی کی جہاں 2000 کے قریب نامعلوم لوگ دفنائے گئے تھے۔خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں وہ کارکن بھی شامل تھے جنہیں بھارتی فوجوں نے گرفتار کر رکھا تھا یا جنہیں غائب کر دیا گیا تھا۔1989 سے اب تک ایک لاکھ سے زیادہ لوگ مارے جاچکے تھے۔

ستمبر 2013: پاکستان و بھارتی وزرائے اعظم کی ملاقات میں لائن آف کنٹرول کے آر پار تشدد کو کم کرنے پر اتفاق ہوا۔

اگست 2014: بھارت نے یہ کہہ کر پاکستان سے مذاکرات ختم کر دیئے کہ نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمشنر نے کشمیری علیحدگی پسندوں کے ساتھ مذاکرات کیے تھے۔

مارچ 2015: تاریخ میں پہلی بار بی جے پی نے کشمیر میں مقامی جماعت پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ مل کر حکومت بنائی اور مفتی محمد سعید کو وزیر اعلیٰ چنا گیا۔

ستمبر 2015: کشمیر میں مسلمانوں نے بڑے گوشت پر پابندی کے خلاف اپنی دوکانیں اور تجارتی مراکز بند کیے۔

اپریل 2016: محبوبہ مفتی اپنے باپ مفتی سعید کے بعد کشمیر کی پہلی خاتون وزیر اعلیٰ بنیں۔

جولائی 2016: حزب المجاہدین کے سرکردہ کمانڈر برہان وانی کی موت کے بعد ہونے والے مظاہروں کے نتیجے میں کشمیر میں کرفیو لگا دیا گیا۔

اگست 2016: وادی میں جاری 50 روزہ کرفیو میں نرمی کی گئی۔برہان وانی کی ہلاکت کے بعد وادی میں مظاہروں اور تشدد کی لہر کے نتیجے میں 68: شہری ہلاک اور 9000 لوگ زخمی ہوئے۔

14: فروری 2019: پلوامامیں ایک خودکش حملے کے نتیجے میں 40 بھارتی فوجی ہلاک ہوگئے۔

26: فروری 2019: بھارت نے بالاکوٹ میں مجاہدین کے ایک کیمپ پر فضائی حملہ کیا اور کئی مجاہدین کو مارنے کا دعویٰ کیا۔

27 فروری 2019: پاکستان نے بھارت کے دو طیاروں کو مار گرایا اور ایک بھارتی پائلٹ کو گرفتار کر لیا۔

5: اگست 2019: بھارتی حکومت نے آئین میں سے آرٹیکل 370 کو ختم کر دیا جو کہ کشمیر کو خصوصی حیثیت دیتا تھا۔اس طرح کشمیر کو بھارتی یونین میں ضم کر دیا گیا۔

16: اگست 2019: 1965 کے بعد پہلی بار کشمیر کے مسئلے پر اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا۔

دفعہ 370 کی منسوخی کے خلاف سپریم کورٹ میں کیس زیر سماعت ہے۔مگر فیصلہ ابھی باقی ہے۔دیکھئے سپریم کورٹ سے اس سلسلہ میں کیا فیصلہ آتا ہے۔بہر حال کشمیر کی خونریز تاریخ نہایت ہولناک ہے۔وہاں صدیوں سے انسانی خون بہتا چلا آ رہا ہے۔نہ جانے کب یہاں امن وامان اور سکون قائم ہوگا۔

شذراتِ اعلیٰ حضرت

پیش کش: پروفیسر ڈاکٹر دلاور خاں

اہل بیت وصحابہ سے محبت کا مرکز

مفکر اسلام ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان قادری حنفی ماتریدی فرماتے ہیں:

’’صحابہ کی محبت ان کی ذات کی وجہ سے نہیں، نہ اہل بیت کی محبت خود ان کے نفوس قدسیہ کی وجہ سے ہے بلکہ ان سب سے محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ربط کی وجہ سے ہے تو جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی اس پر واجب ہے کہ ان سب سے محبت کرے اور جس نے ان میں سے کسی کو مبغوض رکھا اس سے ثابت ہوگیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا۔تو ہم محبت میں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ فرق نہیں کرتے کہ ایمان لانے میں اپنے رب کے رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔صلوات اللہ علیہم۔‘‘

(المعتقدالمنتقد المعتمد المستندص212)

☆

مشاجرات صحابہ میں اہل سنت کا مسلک

مشاجرات صحابہ سے متعلق تین موقف ہیں:

(۱) ایک رافضی۔

(۲) دوسرا ناصبی۔

یہ دونوں انتہاپسندانہ گروپ ہیں۔

(۳) جب کہ تیسرا ان کے برعکس سنی موقف ہے جو اعتدال پسند ہے۔جس کی وضاحت کرتے ہوئے مفکر اسلام، اعلیٰ حضرت الشیخ امام احمد رضا خان محمدی قادری حنفی ماتریدی فرماتے ہیں:

’’حضرت علی سے جنہوں نے مشاجرات ومنازعات کئے، ہم اہل سنت ان میں حق جانب مولا علی مانتے ہیں اور ان سب کو بر غلط وخطا اور حضرت علی اسد اللہی کو بدرجہا ان سے اکمل واعلیٰ جانتے ہیں مگر بااین ہمہ بالحاظ حدیث زبان طعن وتشنیع ان دوسروں کے حق میں نہیں کھولتے اور انہیں ان کے مراتب پر، جو ان کے لیے شرع میں ثابت ہوئے، رکھتے ہیں، کسی کو کسی پر اپنی ہوائے نفس سے فضیلت نہیں دیتے، اور ان کے مشاجرات میں دخل اندازی کو حرام جانتے ہیں اور ان اختلافات کو ابوحنیفہ وشافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں۔تو ہم اہل سنت کے نزدیک ان میں سے کسی ادنیٰ صحابی پر طعن جائز نہیں۔‘‘

(اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفی والال والاصحاب)

’’مشاجرات صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں۔‘‘

(فتاوی رضویہ جلد پنجم ص582)

☆

اہل سنت مسلک اعتدال

مفکر اسلام، اعلیٰ حضرت الشیخ امام احمد رضا خان قادری حنفی ماتریدی، اہل سنت کے اصول اعتدال پسندی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اہل سنت کو اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم عطا فرمائی ہے۔وہ ہمیشہ راہ

وسط (اعتدال) ہوتی ہے۔اس کے دونوں پہلوؤں میں افراط وتفریط دو ہولناک، مہلک گھاٹیاں ہیں۔اسی لیے (اہل سنت) اکثر دو فرقہ متناقص کے وسط میں رہتے ہیں۔جیسے رافضی وناصبی، خارجی ومرجئ، قدری وجبری یا ظاہری و باطنی یا وہابی وگور پرست"

(فتاویٰ رضویہ، ج29 ص137)

اہل سنت کی شان اور امتیازی اصول:

اعلیٰ حضرت کی مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

*اہل سنت صراط مستقیم پر ہیں۔

*راہ اعتدال پر گامزن ہیں۔

*افراط وتفریط سے گریز کرتے ہیں۔

*اہل سنت دو متناقص فرقوں کا رد عمل نہیں۔

*انتہا پسندی سے اجتناب برتتے ہیں۔

*دو متناقص فرقوں میں راہ اعتدال اختیار کرتے ہیں۔

مثلاً اہل سنت نہ رافضی (گستاخ صحابہ) ہیں اور نہ ہی ناصبی (گستاخ اہل بیت) ہیں۔ بلکہ اس انتہا پسندی سے گریز اور راہ اعتدال اپناتے ہوئے وہ اہل بیت اور صحابہ کرام کی عزت وتوقیر کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔

اسی طرح وہابی اور قبوری دو انتہا پسند فرقے ہیں۔وہابی قبور شکنی اور بے حرمتی کو اپنا مسلک قرار دیتے ہیں اور قبوری قبور کو سجدہ، رکوع وطواف اور عبادت کرتے ہیں۔جب کہ اہل سنت ان فرقوں کی اس انتہا پسندی سے بیزار ہیں۔وہ راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے نہ ہی قبروں کی پوجا کرتے ہیں اور نہ ہی قبر شکنی و بے حرمتی کرتے ہیں۔ بلکہ احادیث کی روشنی میں قبور کا احترام کرتے ہیں۔

اسلام کے دلیر وجری تاجور عمر

از۔مولانا سلمان فریدیؔ، مسقط عمان

اظہارِ حق کے روشن و تاباں قمر عُمَر
اسلام کے دلیر و جری تاجور عُمَر
اب بھی وظیفۂ لبِ جرأت ہے اُنکا نام
خوددار و سرفروش و دلآور، نڈر عمر
کیسا حسیں نظارہ تھا اسلام لانے کا
جھومے صحابہ، نعرہ لگا کر عمر، عمر
سارا غضب سمٹ کے گُلِ عشق ہو گیا
تجھ پر پڑی حضور کی ایسی نظر عمر
اعلانیہ نماز و اذاں ہو گئی شروع
جب حق کی طلعتوں سے ہوئے بہرہ ور عمر
فاروق کا لقب اُنھیں بخشا رسول نے
یعنی رضائے حق ہے اُدھر، ہیں جدھر عمر
بوبکر اور حیدر و عثمان کے حبیب
اصحاب مصطفیٰ میں بڑے معتبر، عمر
"لَو کانَ بَعدِی" کہہ کے بڑھائی نبی نے شان
انسانیت کے ایک چمکتے گُہر عمر
بولے اُنھیں "مُحدثٌ خیرُ الاُمَم" حضور
اَسرار حق سے ایسے ہوئے با خبر عمر
عالَم ہے انکی چشمِ فراست پہ منکشف
سرکار کی عطا سے ہیں عالی نظر عمر
حضرت کی ذات، فکری اصابت میں بے نظیر
ہیں افتخارِ فضل و کمال و ہنر عمر
آپ حیات پائے مرا چشمۂ قلم
جاری رہے فریدیؔ کا فکری سفر عمر

آئینۂ منظر اسلام

وہ منظر اسلام جسے سرکارِ اعلیٰ حضرت نے ایک آل رسول کی فرمائش پر ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں شہرستانِ عشق ومحبت بریلی شریف کی سرزمین پر قائم فرمایا۔

وہ منظر اسلام جس کی بے مثال تعمیر وترقی اور عظمت و رفعت حضور حجۃ الاسلام کی ارفع و اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے گلشن علم وحکمت کی لازوال تروتازگی وشادابی میں سرکار مفتیٔ اعظم ہند کا علمی وروحانی تصرف ہمہ وقت کارفرما ہے۔

وہ منظر اسلام جس کی رعنائیاں اور تابانیاں سرکار مفسر اعظم ہند کے بے مثال ایثار وقربانی اور خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وہ منظر اسلام جس کی عالمی شہرت اور مرکزی حیثیت حضرت ریحان ملت کی قائدانہ صلاحیتوں کا ایک روشن ومنور نمونہ ہے۔

وہ منظر اسلام کہ شاہ راہ ترقی پر جس کی تیز گامی میرے والد محترم حضور صاحب سجادہ کی پرعزم، مستحکم اور مخلصانہ قیادت ونظامت کی درخشاں ودیدہ زیب تصویر ہے۔

وہ منظر اسلام جو ماضی قریب کے اکثر اکابر اہل سنت کا قبلۂ علوم وحکمت ہے۔

وہ منظر اسلام جس نے قوم وملت کو ''تحریک تحفظ ناموس رسالت'' اور '' تحریک تحفظ عظمت اولیا '' کے بے شمار جانباز سپاہی عطا فرمائے۔

وہ منظر اسلام جو دینی وعصری علوم وفنون کے ساتھ اسلامی افکار ونظریات کی ترسیل وتبلیغ، عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے عروج وارتقا کے لئے شب وروز سرگرم عمل ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے فارغین کی ایک عظیم جماعت عالم سنیت کے خطہ خطہ میں مذہب ومسلک کی بے لوث خدمت کرنے میں مصروف کار ہے۔

وہ منظر اسلام جو اپنے تابناک ماضی کی ضیابار کرنوں کی روشنی میں اپنے روشن ومنور مستقبل کے خطوط متعین کرکے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

ہاں! یہی منظر اسلام آج آپ کے جذبۂ ایثار وتعاون کو آواز دے رہا ہے۔ آئیے! اور اس کے عروج وارتقا کے لئے دل کھول کر حصہ لیجئے تا کہ اعلیٰ حضرت کے اس عظیم ادارے کا یہ علمی وروحانی قافلہ یوں ہی اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا ہے۔

فقیر قادری محمد احسن رضا
سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United
PRINTERS BAREILLY
(M) 9319623803, 9548639384

Monthly "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. NO. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P BR-175/2021-23
PUBLISHING DATE : 14th
POSTING DATE : 18th] EVRY ADVANCE MONTH
PAGES : 64 PAGE WITH COVER WEIGT : 80 GRM

₹ 35/-
Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian)
Sep. 2023

Printed Published & Owned by Mohammad Subhan Raza Khan "Subhani Mian" Printed at Raza Barqi Press,
Moh. Saudagran Bareilly & Published at Office of Monthly Aala Hazrat 84, Saudagran Street Bareilly (U.P.)